سوزِ کربلا

جلد اوّل

وفاتِ رسول اللہؐ سے شامِ غریباں تک کے

تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ

ترتیب وانتخاب

سید حسین عباس زیدی

علمدار جعفری بک ڈپو اینڈ قمر نگینہ سینٹر

شاپ نمبر 23-22، مین گیٹ امام بارگاہ شہدائے کربلا سادات سوسائٹی فیڈرل بی ایریا بلاک 20 کراچی۔

Ph: 021-36804345 E-mail: Alamdar.jafri@outlook.com

تاریخ وار مرثیوں کا مجموعہ

میر انیسؔ و دبیرؔ و دیگر شعرائے کرام کے معرکۃ الآراء مرثیوں کا انتخاب

سوزِ کربلا

جلد اوّل

وفاتِ رسول اللہؐ سے شہادت امام حسنؑ تک اور

سفر امام حسینؑ سے شامِ غریباں تک کے مرثیوں پر مشتمل

ناشر

احمد بک ڈپو

بچا تک امام بارگاہ شاہِ کربلا

رضویہ سوسائٹی ناظم آباد، کراچی

ملنے کا پتہ

علمدار جعفری بک ڈپو اینڈ قمر نگینہ سینٹر

شاپ نمبر 23-22، مین گیٹ امام بارگاہ شہدائے کربلا سادات سوسائٹی نزد ماڈل اسکول بلاک 20 کراچی۔

Ph: 021-36804345 E-mail: Alamdar.jafri@outlook.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب .... سوزِ کربلا

جلد .... اوّل

مرتبہ .... سید حسین عباس زیدی

طبع اوّل .... اکتوبر ۱۹۸۱ء

طبع دوم .... ستمبر ۲۰۰۶ء

طبع سوم .... دسمبر ۲۰۱۰ء

تعداد ۱۰۰۰

طابع .... سید غلام اکبر

{ ناشر }

احمد بک ڈپو

مقابل امام بارگاہ شاہِ کربلا، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد۔ کراچی

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

محمد و آل محمد کی ذات مقدسہ کائنات کے لئے رب کریم کا انعام ہیں یہ ایسی جلیل القدر ہستیاں ہیں کہ ان کے تذکرے سے ایمان کو جلا ملتی ہے زندگی اور آخرت سنورتی ہے سوز کربلا میں تاریخ وار مرثیوں کا انتخاب کیا جارہا ہے۔ یہ شہ پارے ان عظیم ہستیوں کے بلند کردار کا آئینہ دار ہیں جس سے تا حشر انسانیت کو فروغ ملتا رہے گا۔

ظلم و جبر کے خلاف حق کی بقاء کی خاطر محمد و آل محمد کی قربانیاں بے مثال ہیں۔ ان مرثیوں میں ان کے عظیم ایثار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ مجالس کا انعقاد ہماری حقیقی بقاء کا ضامن ہے۔ مرثیہ اور سوز پڑھنے والے افراد کے لئے یہ ذخیرہ مرتب کیا گیا ہے تاکہ انہیں مختلف کتب و رسائل میں تاریخ وار مرثیوں کے انتخاب کے سلسلے میں زحمت اٹھانی نہ پڑے۔ ایک عرصہ سے ایسی تالیف کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ ہر چند کہ یہ کام میرے لئے دقت طلب ضرور تھا کیونکہ اس نہج کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ بارگاہ چہاردہ معصومین میں مختلف شعراء کے اس انتخاب کو ترتیب دینے کی جو مجھے سعادت حاصل ہوئی ہے اس میں نعمت پروردگار سمجھتا ہوں اور بارگاہ خداوندی میں میری یہی دعا ہے کہ ترویج و اشاعت علوم آل محمد کے سلسلے میں مجھے تائید ایزدی حاصل رہے۔

خادم بارگاہ اہلبیت

سید حسین عباس زیدی۔

۱۴ ۔ اکتوبر ۱۹۸۱ء

فہرست مراثی

مرثیہ نمبر	مطلع	در حال	شاعر	صفحہ نمبر
۱	اے مومنو یثرب میں عجب نوحہ گری ہے	وفات حضرت رسول خدا	دبیر	۹
۲	زخمی ہوئے جو حیدر و صفدر نماز میں	شہادت حضرت علیؑ	عشق	۱۴
۳	اے روزہ دارو آہ و بکا کے یہ روز ہیں	"	دبیر	۱۸
۴	رو ذکر روز قتل امیر عرب ہے آج	"	انیس	۲۳
۵	زہراؑ غم رسولؐ میں بے اختیار ہیں	وفات جناب سیدہؑ	-	۲۹
۶	جب خلق سے وقت سفر فاطمہؑ !	"	انیس	۳۳
۷	جان نبیؐ و خامسۂ داور ہے فاطمہؑ	انہدام جنت البقیع	سجاد	۳۶
۸	اے چرخ تیرے ظلم کی کچھ انتہا نہیں	"	"	۴۰
۹	جس دم حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے جگر ہوا	شہادت حضرت امام حسنؑ	-	۴۳
۱۰	مسجد میں قتل جب شہ خیبر شکن ہوئے	"	انیس	۴۷
۱۱	فرزند پیمبر کا مدینہ سے سفر ہے	مدینہ سے قافلہ امام حسینؑ کا سفر	"	۵۲
۱۲	جب کوچ کی شب قبر نبیؐ پر گئے شبیرؑ	"	دبیر	۵۸
۱۳	گھر سے جب بہر سفر سید عالمؑ نکلے	"	مونس	۶۴
۱۴	کوفہ میں جو پابند بلا ہو... مسلمؑ	شہادت حضرت مسلمؑ	دبیر	۷۰
۱۵	انساں کے لئے مو... ہے غم بے وطنی کا	"	مونس	۷۶
۱۶	پردیس میں مسلمؑ کے یتیموں پہ جفا ہے	شہادت پسران حضرت مسلمؑ	-	۸۰
۱۷	دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آئے	"	انیس	۸۵
۱۸	کیا آمد ہلال محرم کا شور ہے	آمد ماہ محرم (چاند رات)	دبیر	۸۹
۱۹	لو اہل عزا پھر الم و غم کے دن آئے	"	"	۹۴

مرثیہ نمبر	مطلع	در حال	شاعر	صفحہ نمبر
۲۰	بالا کریچے حسین جو راہِ ثواب کو	قافلۂ حسینی کا کربلا میں ورود	انیس	۱۰۰
۲۱	جب نہر پہ خیامِ حسینی بپا ہوئے	〃	دبیر	۱۰۶
۲۲	جس گھڑی نہر پہ خیمے شہ والا کے ہوئے	نہر سے خیامِ حسینی کا ہٹانا	مشرف	۱۱۰
۲۳	کرب و بلا میں سجدہ گزاروں کی رات ہے	شبِ عاشور	جمیل مظہری	۱۱۶
۲۴	عزیز و آج شہادت کی رات آئی ہے	〃	دبیر	۱۱۹
۲۵	اختر جو ہوا بعد عشاء دفترِ ایماں	〃	〃	۱۲۳
۲۶	جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے	صبحِ عاشورہ	انیس	۱۲۶
۲۷	جب آسماں پہ صبح کا تارا ہوا عیاں	〃	مونس	۱۳۲
۲۸	جب صبح بے ردائی زینب عیاں ہوئی	〃	دبیر	۱۳۸
۲۹	رن میں جب فتنہ کیطرف سے حرِّ دیندار آیا	شہادت حضرت حرؑ	انیس	۱۴۲
۳۰	جنت کے در پہ حر جو نہی جاکر کھڑا ہوا	〃	〃	۱۴۵
۳۱	ہے شور کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں رن میں	شہادت حضرت عونؑ و محمدؑ	انیس	۱۵۰
۳۲	جب رن میں گئے زینبِ ناشاد کے پیارے	〃	〃	۱۵۶
۳۳	رن میں زینبؑ کے جو آغوش کے پالے آئے	〃	〃	۱۶۱
۳۴	اُمت پہ پسر اپنے فدا کرتی ہے زینبؑ	〃	دبیر	۱۶۶
۳۵	دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو	شہادت حضرت قاسمؑ	انیس	۱۷۲
۳۶	رن میں باندھے ہوئے سہرے کو جو آئے قاسمؑ	〃	دبیر	۱۷۶
۳۷	گھوڑے سے جبکہ قاسمِ گلگوں قبا گرا	〃	〃	۱۸۱
۳۸	جب لاشۂ قاسمؑ پہ شہِ بحر و بر آئے	〃	انیس	۱۸۵
۳۹	جب لاشۂ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا	شہادت حضرت عباسؑ	〃	۱۸۹
۴۰	جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے	〃	〃	۱۹۴
۴۱	جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو	〃	مونس	۲۰۰
۴۲	جب زانو نے حسینؑ پہ عباسؑ مر گئے	〃	انیس	۲۰۵
۴۳	اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے	رخصت حضرت علی اکبرؑ	〃	۲۱۰
۴۴	خزاں بہار میں یارب کوئی نہال نہ ہو	شہادت حضرت علی اکبرؑ	دبیر	۲۱۶

نمبر مرثیہ	مطلع	در حال	شاعر	صفحہ نمبر
۴۵	چھٹا جو مہر امامت سے مہ لقا فرزند	شہادت حضرت علی اکبرؑ		۲۲۲
۴۶	دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ	〃	انیس	۲۲۷
۴۷	چھٹا جو شاہ سے پیری میں نوجواں فرزند	〃	انس	۲۳۳
۴۸	جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا	〃	انیس	۲۳۹
۴۹	دشت بلا میں خم علی اکبرؑ کی لاش ہے	〃	مونس	۲۴۵
۵۰	لاش اکبرؑ کی جو مقتل سے اٹھا لائے حسینؑ	〃	〃	۲۵۱
۵۱	باقرؑ کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے	شہادت حضرت علی اصغرؑ	دبیر	۲۵۶
۵۲	گہوارہ سے حسینؑ جو اصغرؑ کو لے چلے	〃	〃	۲۶۰
۵۳	ڈھک کر عبا سے شاہ جو اختر کو لے چلے	〃	〃	۲۶۳
۵۴	جب وارث خلیل شہ کربلا ہوئے	〃	〃	۲۶۶
۵۵	آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے	شہادت حضرت امام حسینؑ	انیس	۲۷۲
۵۶	جب پریشاں ہوئی مولا کی جماعت زمیں	〃	دبیر	۲۷۸
۵۷	برباد جب مرقع خیر النساءؑ ہوا	〃	〃	۲۸۳
۵۸	تسبیح فاطمہؑ کے جو دانے بکھر گئے	〃	〃	۲۸۹
۵۹	جس دم نگین خاتم پیغمبراںؐ گرا	〃	〃	۲۹۳
۶۰	جب یاوروں سے دلبر زہراؑ بچھڑ گیا	〃	تعشق	۲۹۸
۶۱	جب ذوالجناح خیمہ میں آیا لہو بھرا	ذوالجناح کا خبر شہادت لانا	-	۳۰۲
۶۲	جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیرؑ	عصر عاشور	دبیر	۳۰۳
۶۳	عباسؑ کے حصے میں وفا حق نے عطا کی	〃	〃	۳۱۰
۶۴	جب رن میں قتل ہو چکا مظلوم کربلا	شام غریباں	〃	۳۱۸
۶۵	جب زمیں بوستان پیمبرؐ ہوا تباہ	〃	〃	۳۲۰
۶۶	جب ہو گیا تباہ سفینہ نجات کا	〃	〃	۳۲۶
۶۷	کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں	〃	مودب	۳۳۲
۶۸	آج مقتل میں عجب بے سروساماں ہیں حرم	〃	وحید	۳۳۸

تقریظ

جناب پروفیسر نعیم تقوی صاحب مدظلہ العالی

رثائی شاعری محض عقیدت اور تاریخی حقائق و واقعات ہی کی آئینہ دار نہیں ہوتی ہے بلکہ اس میں یکجہتی و یگانگت، اخوت و محبت اور ایثار و قربانی کے مختلف پہلو نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ عبد اور معبود کا رشتہ اور اس رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے بھرپور جدّ و جہد مرثیوں میں منعکس ہے جلوت ہو یا خلوت، بزم ہو یا رزم، سفر ہو یا حضر کونسا پہلو رثائی شاعری کی زینت نہیں ہے۔ مرثیہ کی جامعیت انسانی مسائل کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جدید مرثیے تو ہر اعتبار سے موجودہ حیات انسانی پر محیط نظر آتے ہیں۔

عزیزم السیّد حسین عباس زیدی سلمہٗ نے مرثیوں کا ایسا بے بہا انتخاب ترتیب دیا ہے جو لائق صد ہا ستائش ہے۔ تاریخ وار مرثیوں کا ایسا مجموعہ میری نظر سے اب تک نہیں گزرا۔

عزیزم السیّد حسین عباس سلمہٗ ملّت جعفریہ کے ہونہار، محنتی اور سرگرم کارکن ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ خداوند بزرگ و برتر ان کے قلبی انہماک میں اضافہ فرمائے اور عمر طویل سے سرفراز کرے۔ آمین

نعیم تقوی

۱۰-۱۰-۱۹۸۱ء

پیش لفظ

از جناب ہلال نقوی صاحب

اردو کے پہلے مرثیہ نگار برہان الدین جانم (وفات ۹۹۰ھ) کے دور سے اگر تاریخ مرثیہ نگاری کے عہد ارتقاء کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مختلف ادوار میں سوزخوان کی اہمیت وافادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

اردو میں جب مرثیے کہنے کا آغاز ہوا اور مرثیے کو مجلس میں پیش کیا جانے لگا تو جو طریقہ اپنایا گیا وہ سوزخوانی ہی کا تھا۔

میر ضمیر نے اسے سب سے پہلے منبر پر پہنچایا اور تحت اللفظ خوانی کا رواج ہوا۔ ضمیر کا یہ اقدام فن سوزخوانی کے ارتقاء میں ایک دیوار بھی بن سکتا تھا لیکن مجلس کی فضا سوزخوانی کی اس قدر محتاج تھی کہ اس فن کو وقتی دھچکا تو لگا لیکن اسے کبھی زوال نہیں آیا۔ تقسیم کے بعد پاکستان خصوصاً کراچی میں اس فن نے بڑی ترقی کی یہ فن یہاں اتنا پھولا پھلا ہے کہ سوزخوان حضرات نے اس کو محسوس کیا کہ مرثیوں کا کوئی ایسا منتخب مجموعہ ہو جس میں واقعات کربلا کو سلسلہ وار جمع کر دیا گیا ہو۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے سید حسین عباس زیدی نے بڑی ہمت و توانائی کے ساتھ قدم اٹھایا ہے۔ جب میں نے اس مجموعے کے مسودہ کو دیکھا تو میں ان کے ذوق مرثیہ اور ادب دوستی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کراچی کے ایک مقامی کالج میں سائنس کے طالب علم ہیں اور وہ موزوں طبیعت بھی رکھتے ہیں۔ دینی امور میں تحقیق کا ذوق اور مرثیے سے دلچسپی ان کی سرگرمیوں کا ایک خاص حصہ ہے۔ اور انہیں سرگرمیوں کا ایک عملی نمونہ "سوز کربلا" ہے۔ ناقدریٔ علم وفن کے اس دور میں ہمیں ایک نوعمر نوجوان کے پاکیزہ عزائم کی قدر کرنی چاہیے۔

ہلال نقوی

ریسرچ اسکالر

جامعہ کراچی

مرثیہ نمبر ۱

وفات حضرت رسولِ خداؐ

اے مومنو یثرب میں عجب نوحہ گری ہے — زہراؑ کیلئے داغِ غمِ بے پدری ہے
لب خشک ہیں منہ زرد ہے آنکھوں میں تری ہے — پیغمبرؐ کونین چراغِ سحری ہے
ہوتے ہیں جدا خیر البشر خیر النسا سے
محبوب خدا چھوٹتے ہیں شیرِ خدا سے

جس کا کلمہ پڑھتے ہیں سب مومن دیندار — اب عازمِ فردوس ہے وہ خاصۂ غفّار
مکہ میں مدینہ میں تباہی کے ہیں آثار — اب ہوتے ہیں امت سے جدا احمد مختار
فاقے کئے غمگیں رہے دنیا کے سفر میں
آخر سفرِ مرگ کیا ماہ صفر میں

دردا! زرہ جسم علیؑ ہوتی ہے پنہاں — گم ہوتا ہے اب فاطمہؑ کے ہاتھ سے قرآں
یثرب صفت خانۂ دیں ہوتا ہے ویراں — فرقاں کی طرح ہوتے ہیں سادات پریشاں
چہروں پہ حسینؑ و حسنؑ اب خاک ملیں گے
سر ننگے تہ تختۂ تابوت چلیں گے

جبرئیلؑ نے آکر کہا فرماتا ہے غفّار   اپنے لئے ہستیؑ اجل کا ہے تو مختار
گر کہہ تو شفا دوں ابھی ہو دفع یہ آزار   مشتاق ہمارا ہو تو کر موت کا اقرار
حضرتؐ نے کہا کہہ دو شفا ہو کہ قضا ہو
بہتر ہے وہی جس میں کہ مالک کی رضا ہو
القصہ کہ اسرار اجل کھل گئے دل پر   مسجد میں گئے ضعف کے عالم میں پیمبرؐ
عباسؓ و علیؑ تھامے ہوئے دستِ مطہر   اور جا کے پڑھا خطبۂ آخر سرِ منبر
پھر بولے کہ پہنچا ہو اگر رنج کسی کو
اے مومنو تم عفو کرو اپنے نبیؐ کو!
ہے آخری اس وقت مرا وعظ و نصیحت   اب منبر و محراب سے ہوتا ہوں میں رخصت
آنا تھا من اللہ الی اللہ ہے رحلت   اب ہوگی ملاقات مری روزِ قیامت
تم غم میں مرے نالہ و فریاد کرو گے
امسال مجھے حج میں بہت یاد کرو گے
گر بعد مرے پہنچے گا زہراؑ کو کچھ آزار   مرقد سے مری پُشت نہیں لگنے کی زنہار
یہ چار ہیں ذرّیتِ آلِ پیمبرؐ ہیں خبردار   زہراؑ و حسینؑ و حسنؑ و حیدرؑ کرار
واجب مرے اصحاب پر ان سب کی ولا ہے
یارو یہی تبلیغ رسالتؐ کا صلا ہے

فارغ ہوا وعظ سے وہ عاشقِ داور — پھر گھر میں گئے اور گرے فرشِ اجل پر
اس روز سے تشریف نہ پھر لے گئے باہر — بس قبر میں جانے کو اُٹھے آلِ پیمبر
حیران و پریشان و دل افسردہ تھی زہراؑ
بابا ابھی جیتا تھا مگر مُردہ تھی زہراؑ

پر احمدِ مختار تھے جب ہوش میں آتے — زہراؑ کو بصد یاس کلیجے سے لگاتے
گہ پیار سے یہ دونوں نواسوں کو سناتے — میں اچھا ہوں تم کس لئے کھانا نہیں کھاتے
وہ کہتے تھے کیا خاک تمنائے غذا ہو
اللہ کرے جلد کہیں تم کو شفا ہو

ہنس کہتے تھے صحت ہو نہ ہو کھانا تو کھالو — نانا کے نواسو دلِ مضطر کو سنبھالو
چلّاتی تھی زہراؑ کہ نہ یہ ذکر نکالو! — بابا مرے فرزندوں کو دولھا تو بنالو
ارمان تھا تم کو تو نواسوں کی دلہن کا
کیا بیاہ نہ دیکھو گے حسینؑ اور حسنؑ کا

اک آہ کی رونے لگے اور غش ہوئے بولا — دروازے سے ناگاہ صدا یہ ہوئی پیدا
دو اذنِ حضور لے حرمِ سیّدِ والا — جا کر کہا زہراؑ نے کہ بیہوش ہیں بابا
پھر آئی ندا پھر وہی فرما گئی زہراؑ
پھر تیسری آواز میں تھرا گئی زہراؑ

فرصت جو ہوئی غش سے تو حضرت نے بھی پوچھا | زہرا نے کہا ایک عرب آیا ہے تنہا
وہ مانگتا ہے اذن حضور اے مرے بابا | کتنا ہی کیا عذر نہیں اس کو پذیرا

حضرت نے کہا یہ ملک الموت ہے زہرا
ہنگام مری زیست کا اب فوت ہے زہرا

یہ اذن کسی سے کبھی نہیں مانگنے والا | پر ہاں مرے دروانے سے کے تربت سے ہے آگاہ
اللہ رے عز و شرفِ سیّدِ ذیجاہ | بے حکم نہ گھر میں ملک الموت کو تھی راہ

ہر کرب و بلا میں یہی گھر تھا یہی در تھا
کفار کا انبوہ تھا آتش کا گزر تھا

پایا ملک الموت نے مولا کا جو فرماں | آیا باادب سجدہ کیے خسروِ دوراں
حضرت ہوئے امت کے لئے وحی کے خواہاں | ہاتف نے کہا لے تری مشکل ہوئی آساں

محشر کا خدا نے کیا مختار ابھی سے
بخشے تری امت کے گنہگار ابھی سے

مولا ہوئے خوش اور لحاف آپ نے اوڑھا | سینہ میں جو گنجینۂ اسرار خدا تھا
سونپا وہ بلا کر اسد اللہ کو تنہا | زہرا سے مخاطب ہوئے اے عاشق بابا

کچھ دن تمہیں رہنا ہے یہاں رنج و محن میں
رونا نہ بہت مجھ کو میں تڑپوں گا کفن میں

پھر دستِ ید اللہ میں زہراؐ کا دیا ہاتھ   فرمایا سلوک اس سے جو ہوگا مرے ساتھ
زہراؐ سے کہا خدمتِ حیدرؑ ہے عبادات   بے حکمِ ید اللہ نہ کرنا تو کوئی بات
محتاج مرے بھائی کو سرتاج سمجھنا
حیدرؑ کی کنیزی کو تو معراج سمجھنا

پھر رو کے کہا اے مرے مظلوم نواسو!   لو بیٹھ لو زانو پہ مرے کاندھے پہ چڑھ لو
مختار میں امت کا کئے جاتا ہوں تم کو   وہ کیجیو جس میں مری امت کا بھلا ہو
شبرؑ سے کہا زہر دغا پی جیو پیارے
شبیرؑ سے فرمایا کہ سر دیجیو پیارے

فرمایا فرشتے سے کرے قبض کر اب جاں   راہی ہوئے مولا طرفِ روضۂ رضواں
پہلے شہِ مرداں نے سر اپنا کیا عُریاں   پھر پھاڑے نواسوں نے بھی ننھے سے گریباں
غش میں کہیں زینبؑ کہیں کلثومؑ پڑی تھی
خاتونِ قیامت پہ قیامت کی گھڑی تھی

چلاتی تھی قربان گئی آنکھوں کو کھولو   پھر کلمہ کا شاہد کرو بیٹی سے بولو
چلتے ہو نواسوں سے بغلگیر تو ہو لو!   پھر پیار سے سر رکھ کے مرے زانو پہ سو لو
قربان گئی داغ نہ دیتے ہوئے جاؤ
فردوس میں زہراؐ کو بھی لیتے ہوئے جاؤ

مرثیہ نمبر ۲

شہادت حضرت علیؑ

زخمی ہوئے جو حیدر صفدر نماز میں
شمشیر ظلم چل گئی سر پر نماز میں
گلگوں ہوئی جبین منور نماز میں
سر تا قدم لہو سے ہوئے تر نماز میں
صدمہ ہوا یہ سن کے صغیر و کبیر کو
زخمی کیا نماز میں کل کے امیر کو

تصویر تھی علیؑ کی جو بالائے آسماں
زخمی ہوئے سحر کو علیؑ ولی وہاں
تصویر کی جبیں سے لہو تھا رواں وہاں
یہ کہتے قدسیوں نے دم صبح کی فغاں
دانائے سر غیب یہ کیسا غضب ہوا
جبریلؑ بولے قتل امیر عرب ہوا

ڈوبے ہوئے تھے خون میں سلطان حق نیوش
آنکھیں تھیں بند خویش پیمبر کو تھا نہ ہوش
آیا سرہانے ایک ضعیف سفید پوش
تصویر نور اشک رواں دل میں غم کا جوش
آدم وہی تھے چاک گریباں کئے ہوئے
بیٹھے تھے گود میں سر زخمی لئے ہوئے

مسجد میں آئے شبرؑ و شبیرؑ نوحہ گر
اس حال سے علیؑ ولی آئے واں نظر
سرتا قدم تھا جسم مبارک لہو میں تر
لپٹے گلے سے دوڑ کے کہہ کے پدر پدر
دامن سے دونوں خون جبیں پونچھتے رہے
گرد اُن کے منہ کی خود شہ دیں پونچھتے رہے

بیت الشرف میں آئے شہ عرش بارگاہ
باہر سے آئے بانوؤں کو تھا وہ نور ماہ
لپٹے گلیم کہنہ پہ افسوس آہ آہ
زینب نے لیں بلائیں کہا بیکسوں کے شاہ
اُٹھے گلیم کہنہ سے کچھ اور لاؤں میں
ارشاد ہو تو اپنی ردا کو بچھاؤں میں

تھے دمبدم زیادہ بنی زادیوں کے بین
تھمتا نہیں تھا خون سر شاہ مشرقین
باشندگان یثرب و بطحا کو تھا نہ چین
چھپ چھپ کے روتے پھرتے تھے ہر سو حسنؑ حسینؑ
کی آہ دل کو تھام کے نزدیک جو گیا
رنگ جناب شیر خدا سبز ہو گیا

اکیسویں شب آئی کہ موت آئی ہے بہم
درد ہوا علیؑ کو سوا کرب دمبدم
تکیے سے اُٹھ سکا نہ سر ایسا بڑھا ورم
فرمایا آج شب کو چراغ سحر ہیں ہم
شہزادیوں نے ماتم شاہ عرب کیا
حضرت نے سب کو بہر وصیت طلب کیا

لو مومنو امام کی رحلت قریب ہے — ہنگام حشر وقت قیامت قریب ہے
آقا کی تم غلاموں سے رخصت قریب ہے — باغ جہاں بعید ہے جنت قریب ہے
صدمے سے انس و جن و ملک جان کھوئینگے
آقا ہمارے مر گئے یہ کہہ کے روئیں گے

لیتے تھے کروٹیں جو علیؑ کہہ کے آہ آہ — سب چپ کھڑے تھے رنج سے تھی حالت تباہ
رومال زخم سر پہ بندھا تھا کوئی آہ! — لپٹ کے سینہ سے زینبؑ کو روئے شاہ
تھا غیر حال سرورِ عرش احتشام کا
چوما گلا حسین علیہ السلام کا

تھا بوسہ گاہ حیدرِ کرار جو گلا! — اس پر ستم ہے خنجر شمر لعیں چلا
لپٹی تھی ریگ دامن صحرائے کربلا — زینبؑ کے سر پہ آ گئی رنجیں نئی بلا
دردا یہ حال دختر مشکلکشا ہوا!
رسّی بندھی تھی ہاتھ میں سر تھا کھلا ہوا!

اُم البنین دوڑیں یہ عباسؑ سے کہا — بیٹا چلو سبھوں کو بلاتے ہیں مرتضیٰ
یوں آئیں لیکے ساتھ قیامت ہوئی بپا — اپنا بھی سر برہنہ پسر بھی برہنہ پا
منھ پر ملی تھی خاک یتیمانہ جامہ تھا
بر میں سیہ لباس تھا کالا عمامہ تھا

فرما چکے جو سب کو وصیت امام دیں — عباس کو گلے سے لگایا بلائیں لیں
بولے بڑے ہیں عمر میں شبیر شک نہیں — ان کا رہے خیال مگر میرے مہ جبیں
ان میں نہ ہو قصور وفا کے جو کام ہیں
ہشیار تم حسینؑ سے اب ہم تمام ہیں

عباسؑ سے یہ کہتے ہی چپ ہو گئے علیؑ — تکبیر غش میں حیدرؑ کرار نے کہی
زینبؑ ہوئیں یتیم قضا مرتضےٰ نے کی — واحسرتا کہ جان بدن سے نکل گئی
دونوں جہاں کے مالک و مختار مر گئے
آئی ندا کہ حیدرؑ کرار مر گئے!

زینبؑ پکاری بھائی حسنؑ کیا کروں بتاؤ — بابا خموش ہو گئے دیکھو تو نبض آؤ
بھائی پدر کی لاش پہ چادر ذرا اڑھاؤ — باہر جو لوگ جمع ہیں کہہ دو ان سے جاؤ
عارض ہیں زرد عاشق ربّ قدیر کے
ہیں سرد ہاتھ پاؤں جناب امیرؑ کے

دیکھی جو بڑھ کے نبض شہنشاہ صف شکن — یہ کہہ کے گر پڑے حسنؑ سبز پیرہن
بھائی حسینؑ اٹھ گئے دنیا سے بوالحسنؑ — کافور جلد لاؤ منگاؤ ابھی کفن!
اپنا جہاں میں کوئی ٹھکانا نہیں رہا
بابا نے کی قضا وہ زمانا نہیں رہا

مرثیہ نمبر ۳

شہادت حضرت علیؑ

اے روزہ دارو آہ و بکا کے یہ روز ہیں — سادات پر نزولِ بلا کے یہ روز ہیں
سرتاجِ اوصیا کی عزا کے یہ روز ہیں — تم سے وداعِ شیرِ خدا کے یہ روز ہیں
زخمی ہوئے امام ہمارے نماز میں!
ظالم نے روزہ دار کو مارا نماز میں

ماہِ مبارکِ رمضاں اور خدا کا گھر — تڑکا وہ نمود کا وہ شبِ قدر کی سحر
پیشِ خدا وہ سجدے میں شیرِ خدا کا سر — اور اُس پہ تیغِ ظلم کی ضربت وہ فرق پر
فوارے خوں کے زخمِ جبیں سے بہا گئے
سجدے میں آپ ربی الاعلیٰ کہا گئے

لکھا ہے جب دونیم ہوا فرقِ مرتضیٰ — سدرہ سے جبرئیل کے رونے کا غل اُٹھا
پھینکی سروں سے زینب و کلثوم نے ردا — بچوں کا کے بھائیوں کی پکاریں غضب ہوا
سُنئے سو جبرئیل نے اس وقت کیا کہا
وہ بولے پیٹ کر قُتِلَ المرتضیٰؑ کہا

دوڑے یہ کہہ کے جانب مسجد وہ نیک ذات
ڈوبی ہوئی لہو میں ملی کشتی نجات

ماتھے پہ خون باپ کا مل کر کہی یہ بات
ہے ہے اٹھایا قبلۂ و کعبہ نے کس ہات

رلوایا نانا جان کو دار السلام میں
بن باپ کا کیا ہمیں ماہ صیام میں

ناگاہ نمازیوں کے گروہ آئے ننگے سر
حیدرؑ نے مجتبیٰؑ سے کہا آنکھ کھول کر

پڑھواؤ تم نماز جماعت کی اے پسر
ہم بیٹھے بیٹھے پڑھتے ہیں اپنے مقام پر

لیکن حسینؑ کے زخم پہ رومال باندھ دو
میرا سر شگافتہ اے لال باندھ دو

باندھا حسنؑ نے زخم سر شیر ذوالجلال
بولے علیؑ کہ اور کسو درد ہے کمال

شبرؑ نے پھر کسا تو کیا پھر وہی مقال
پھر حسینؑ باندھ کر یہ پکارا وہ خوش خصال

اب درد کیسا اے اسد ذوالجلال ہے
ہاتھوں سے سر پکڑ کے کہا وہ ہی حال ہے

پڑھ کے پھر نماز جماعت کی مجتبیٰ
بابا کے سر پہ پڑھنے لگے آیۂ شفا

ناگاہ آکے یہ کسی عورت نے دی صدا
زہراؑ کے پیارو تم سے یہ زینبؑ نے ہے کہا

بابا کو میرے جلد جو گھر میں نہ لاؤ گے
تو سر برہنہ مجھکو بھی مسجد میں پاؤ گے

بولے علیؑ جو اس ابھی سے بجا نہیں　　زینبؑ سے کہدو کوفہ ہے یہ کربلا نہیں
ہیں لیے دیار و مکیں بے آشنا نہیں　　شیعہ ہیں گرد حضرۂ اہل جفا نہیں
پردے سے ننگے سر تو ابھی کیوں نکلتی ہے
کیا خلق پر حسینؑ کے تلوار چلتی ہے

شیعوں میں اس بیان سے ہوا اور شور و شین　　لائے پسر گلیم پئے شاہ مشرقین
یوں لے چلے گلیم میں حیدرؑ کو نورِ عین　　کاندھا دیئے سرہانے حسنؑ پائینی حسینؑ
آگے جلو میں روح امیں ننگے سر چلا
لاشہ کنندۂ در خیبر کا گھر چلا

پہونچا جو لاشۂ شہ مرداں قریب در　　بے ساختہ نکل پڑی زینب برہنہ سر
بعد اس کے یونہی آئی تھیں اکبرؑ کی لاش پر　　یہ واقعہ تھا بابؑ کے وہ ماتم پسر
رکھ رکھ کے ہاتھ آنکھوں پہ سب خلق ہٹ گئی
پھیلا کے ہاتھ لاش سے زینبؑ لپٹ گئی!

لاشے کی پیشوائی کو سب اہلبیتؑ آئے　　سر کو سنبھالا تھا کوئی بیت الشرف میں لائے
امّ البنین زمیں پہ تڑپ کر پکارتی ہائے　　عباسؑ ہے کہاں اُسے جراح کو بلائے
جلد آئے زخم سینہ کو مرہم لگانے کو
بولا کوئی حسینؑ گئے ہیں بلانے کو

باہر سے آئے آنگنے میں شبیرؑ ننگے سر   زینبؑ کو پایا باپ کی بالیں پہ نوحہ گر

بولے کہ جاؤ حجرے میں اے عاشق پدر   بابا کا زخم دیکھے گا جراح آن کر

وہ بولی ایسے وقت نہ جُدا ہونا چاہیئے

مل مل کے اب پدر کے گلے رونا چاہیئے

زینبؑ کے آگے لونڈیوں نے روک دی ردا   جراح کو حسینؑ پکارے کہ گھر میں آ

رونے لگے حسینؑ کی اُلفت پہ مرتضیٰ   پوچھا تو بولے تیری غریبی پہ میں فدا

جز خنجر دو دم کوئی ہمدم نہ ہووے گا

زخموں کا تیرے بخیہ و مرہم نہ ہووے گا

کھولا حسنؑ نے زخم سرِ شیرِ کبریا   جراح نے مُشاہدہ کرتے ہی رو دیا

جھک کر حسنؑ کے کان میں اظہار کچھ کیا   سُنتے ہی مجتبیٰؑ نے کلیجہ پکڑ لیا

وہ آہ کی کہ ہل گئے دل سب کے سینہ میں

تھرّا گئی ضریحِ پیمبرؐ مدینہ میں

زینبؑ نے روحِ فاطمہ کا واسطہ دیا   بولی کہ بھائی جان بیاں اس نے کیا کیا

پوچھو تو اس طرح کا ہے زخمی کوئی جیا   تجویز کیا ہے بہرِ سرِ شاہِ اوصیا

ٹانکوں کا یہ محل ہے کہ مرہم کا کام ہے

ہے جان کی تو خیر یہ نازک مقام ہے

بابا کی زندگی میں یہ آزار جائے گا　　غسل شفا ید رمرا کس روز پائے گا
روکر کہا علیؑ نے کر یہ کیا تباہ گا　　اکیسویں کو باپ تمہارا نہائے گا

دو دن کے بعد رنج و قلق سے فراغ ہے
کیسے کرنے گلے میں ہیں اور سبز باغ ہے

سمجھی نہ بھیجہ غم میں نہ وہ باپ کا سخن　　پھر محتبیٰ کو دی قسم رب ذوالمنن
منہ پر طمانچے مار کے کہنے لگے حسنؑ　　بالکل جواب دیتا ہے جرّاح اے بہن

کہتا ہے یہ کہ زہر اثر اپنا کر چکا
کس کی دوا کروں مرا آقا تو مر چکا

اس زہر میں بجھائی ہے قاتل نے یہ حسام　　جس کے نہ ایک زخم سے جانبر ہو خاص و عام
بخیہ کی یہ جگہ ہے نہ مرہم کا ہے مقام　　اب کوئی دن میں قبلہ حاجات ہیں تمام

اُمت کے دل میں بغض رسالت پناہ ہے
گھر فاطمہؑ کا روز بروز اب تباہ ہے

ناگاہ اہل بیت کی بستی اُجڑ گئی　　اکیسویں کو دھوم قیامت کی پڑ گئی
دُنیا کے انتظام کی صورت بگڑ گئی　　غل پڑ گیا کہ باپ سے زینبؑ بچھڑ گئی

شیعو چلو کہ شہزادیوں کا دم نکلتا ہے
تابوت بادشاہ دو عالم نکلتا ہے

مرثیہ نمبر ۹

شہادت حضرت علیؑ

روؤ کہ روزِ قتلِ امیرِ عرب ہے آج
بیٹھو کہ روزِ حشر ہے ضربت کی شب ہے آج

بزمِ عزا میں آ کے نہ رونا غضب ہے آج
غم سے حسنؑ حسینؑ کی حالت عجب ہے آج

پایا جو محوِ بندگی بے نیاز میں
تلوار روزہ دار کو ماری نماز میں

سجدے میں شیرِ حق کا دوبارہ ہوا جو سر
اکبار کانپنے لگے مسجد کے بام و در

ابلا لہو کہ ہو گئی محراب خوں سے تر
اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پر

گردوں پہ جبرئیل پکارا غضب ہوا
سجدے میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

پہونچی بگوشِ حضرتِ زینب جو یہ صدا
رو کر جنابِ شبّر و شبیر سے کہا

جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا
کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتا

کس نے کیا شہید امام حجاز کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سُن کے دوڑے جانبِ مسجد حسنؑ حسینؑ
دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بشور و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہِ مشرقین
سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینوں میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

حضرت کے گرد جمع تھے اصحابِ باوفا
فرماتے تھے ہر ایک سے آنسو بہا بہا
تم سے وصیٔ رسولؐ کا ہوتا ہے اب جدا
وہ پوچھ لیوے آج جسے جو ہو پوچھنا
غم میں ہمارے خاک سروں پر اڑاؤ گے
کل خویشِ مصطفےٰؐ کو نہ دنیا میں پاؤ گے

کی اُٹھ کے صعصعہ بن حباں نے عرض تب
خاطر میں چند مسئلے ہیں یا شہِ عرب
جب چاہا ان کو پوچھوں تو مانع ہوا ادب
دیتے ہیں حکم آپ تو کرتا ہوں عرض اب
خادم امیدوار ہے اس کے جواب کا
آدم کا مرتبہ ہے سوا یا جناب کا

سر کو جھکا کے شیرِ خدا نے دیا جواب
آتا ہے مجھکو اپنی ثنا کرنے سے حجاب
گندم کے کھانے سے وہ ہوئے موردِ عتاب
میں نے بغیر منع کیا اس سے اجتناب
فاقوں میں شکرِ حق سے زباں آشنا رہی
نانِ جویں علیؑ کی ہمیشہ غذا رہی!

کی عرض پھر کے اس نے کہ یا شاہِ لافتا   رتبہ زیادہ آپ کا ہے یا کہ نوحؑ کا
فرمایا جب کہ اُمت سرکش نے کی جفا   کی حق میں اُن کے نوحؑ نے صابر نہ رہ کے دعا
باندھا ستمگروں نے گلا ریسمان سے
میں نے دعائے بد نہ کبھی کی زبان سے

اور دوسرے سعید نہ تھا نوحؑ کا پسر   کافر رہا صدا نہ ہوا دیں بہرہ ور
میرے پسر رسولؐ کے ہیں پارۂ جگر   یہ دونوں لعل عرشِ الٰہی کے ہیں گہر
سردارِ اہلِ خلد ہیں عالی مقام ہیں
نانا نبیؐ ہیں باپ امام آپ امام ہیں

پھر اس نے عرض کی کہ غلام آپ پر نثار   قدر آپکی سوا ہے کہ موسیٰ کا افتخار
فرمایا ان کو جب یہ ہوا حکم کردگار   فرعون پاس جا کے کرو حال آشکار
کی عرض خوف یہ ہے کہ جیتا نہ آؤں میں
گر حکم ہو تو بھائی کو بھی لیکے جاؤں میں

مجھ سے رسولؐ پاک نے جس دم کہی یہ بات   ہاں جا کے اہلِ کعبہ میں پڑھ سورہ برات
تھے جمع واں بہت سے صنادید بد صفات   لایا بجا میں حکم شہنشاہِ کائنات
سورہ پڑھا برات کا اس عز و شان سے
آتی تھی مرحبا کی صدا آسمان سے

جب طور پر عصا ہوا موسیٰؑ کا اژدھا   موسیٰؑ اسے پکڑ یہ ہوا حکم کبریا
وہ ڈر گئے یہ تھا بشریّت کا مقتضا   غیر از خدا کسی سے کبھی میں نہیں ڈرا
حیدر لقب ملا مجھے طفلی کے عہد میں
دو انگلیوں سے چیر دیے اژدر کو مہد میں

عیسیٰؑ کو اس نے پوچھا تو مولا نے یہ کہا   مادر ہے انکی حضرت مریمؑ سی پارسا
جب دردِ وضع حمل انھیں کعبہ میں ہوا   آئی ندائے غیب باہر یہاں سے جا
یہاں کوئی امر غیر عبادت روا نہیں
طاعت کی یہ جگہ ہے ولادت کی جا نہیں۔

اور وقت آیا میری ولادت کا جس گھڑی   مادر مری دعا کے لئے کعبہ میں گئی
باہر سے فاطمہ کو صدا یہ کسی نے دی   اندر تو آجا کعبہ کے اے مادرِ علیؑ
مریم سے مرتبہ ترا اس دم زیادہ ہے
تو ہے کنیز خاص علیؑ خانہ زاد ہے

یہ کہتے کہتے شیرِ خدا کو غش آ گیا   پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا   گھر اپنے جاؤ وقتِ ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہِ کون و مکاں کو
جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

روتے ہوئے وداع ہوئے شہ کے دوستدار زینبؑ بلائیں لینے لگی رو کے زار زار
بیٹوں سے تب یہ کہنے لگے شاہِ ذوالفقار آؤ مرے قریب ہے وقتِ احتضار
یہ سُن کے روتے روتے دم ان کے الٹ گئے
بارہ پسر علیؑ کے قدم سے لپٹ گئے

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لگا اور ہاتھ ان کے ہاتھ میں نو بیٹوں کا دیا
عباسؑ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا چُپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاسِ ادب سے باپ سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
ماں ان کو دیکھتی تھی وہ منہ ماں کا تکتے تھے

اُمّ البنینؑ قدم پہ گری کھولے سر کے بال کی عرض یا علیؑ ولیِ شیرِ ذوالجلال
عباسؑ سے ہے خاطرِ اقدس پہ کچھ ملال لونڈی ہوں میں غلام ہے حضرت کا میرا لال
رہتا یہ خدمتِ حسنؑ خوش صفات میں
ہاتھ اس غلام کا نہ دیا ان کے ہات میں

اُمّ البنینؑ سے رو کے علیؑ نے کہی یہ بات دیتا حسنؑ کے ہاتھ میں کیونکر میں اس کا ہات
شیدا ترا پسر ہے شبیرؑ خوش صفات اور عاشقِ حسینؑ ہے عباسؑ نیک ذات
شانِ بہادری ہے ترے نورِ عین میں
اس کا ازل سے ہاتھ ہے دستِ حسینؑ میں

عباسؑ کو بلا کے گلے سے لگا لیا　ہاتھ اس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ کے کہا
اے لعل یہ غلام تمہارا ہے باوفا　میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
اس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

عباسؑ سے کہا کہ سُن اے میرے نونہال　تو ہے علیؑ کا لعل وہ ہے مصطفٰےؐ کا لعل
رکھیو ہمیشہ خاطرِ شبیرؑ کا خیال　اس کا ملال احمدِ مرسل کا ہے ملال
بیشک خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
تجھ کو بھی پاس رہتا ہے اس نورِ عین کا

بچوں سمیت جب یہ وطن سے کرے سفر　پہلے حسینؑ سے تو مرے باندھیو کمر!
پہنچے جو کربلا میں یہ سلطانِ بحر و بر　خیمے کی چوکی شام سے تو کیجیو تا سحر
روزِ نبرد معرکہ آرائی کیجیو!
پانی ہو اس پہ بند تو سقائی کیجیو!

یہ سُنکے ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار　اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار　فرزند کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھی رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی
اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی!

مرثیہ نمبر ۵

وفاتِ جنابِ سیّدہؑ

زہراؑ غمِ رسولؐ میں بے اختیار ہیں
غش میں بھی مصطفےٰؐ کیلئے اشکبار ہیں
آنکھوں سے نیند اُڑ گئی ہے بے قرار ہیں
تبدیلی لباس کہاں سوگوار ہیں
اُٹھتیں نہ ہیں جو بیٹیاں آئیں کھڑی رہیں
میلی ردائیں ڈھلنے سے ہوئے مُنہ پڑی رہیں

ایسا مرض بڑھا کہ لہو تن کا گھٹ گیا
آنکھیں کبھی بھرائیں کبھی دم اُلٹ گیا
رات آتے ہی پہاڑ ہوئی دن جو کٹ گیا
دل زندگی سے جانِ پیمبرؐ کا ہٹ گیا
آہیں جو کیں اذیت بیمار بڑھ گئی
اس فاقہ کش کی زردی رخسار بڑھ گئی

حالت کنیزوں کو نظر آئی یہ ایکبار
دم رُک گیا بتولؐ کا ہے وقتِ احتضار
دوڑیں وہ لونڈیاں سُوئے مسجد بہ حالِ زار
چاہا علیؑ پہ حال ہو زہراؑ کا آشکار
فارغ نماز ظہر سے ہو کر اداس تھے
عازم مکان آپ شہِ حق شناس تھے

دیکھا کہ روتی پیٹتی آتی ہیں لونڈیاں فرمایا خیریت تو ہے کیوں اشک ہیں رواں
کرنے لگیں وہ عرض کہ یا شاہ انس و جاں جاتی ہے سوئے خلد اب پیمبر سوئے جناں
جلدی چلیں امام یہ رخصت کا وقت ہے
صورت بتا رہی ہے کہ رحلت کا وقت ہے

مسجد سے گھر کی سمت بہ سرعت چلے علیؑ داخل ہوا مکاں میں جو اللہ کا ولی
دیکھا بہت ہے فرش پہ زہراؑ کو بے کلی غش آگیا ہے موت کے آثار ہیں جلی
زانو پہ سر کو رکھ کے صدا دی امام نے
کھولی نہ آنکھ دختر خیر الانام نے

رو کر کہا کہ میں ہوں علیؑ تم ہو کیوں خموش ملنے کو آیا ہوں کہ ہے الفت کا دل میں جوش
پہنچی یہ شاہ دیں کی صدا درمیان گوش نام علیؑ سے آگیا بنت نبیؐ کو ہوش
باتیں ادھر تھیں یاس کی آہ و بکا ادھر
رونے لگیں بتولؑ ادھر مرتضیٰؑ ادھر

جو جو وصیتیں تھیں مناسب دم قضا فارغ ہر ایک سے ہوئیں جب اشرف النساء
آخر میں کی یہ عرض کی یا شاہ لافتیٰ فرمائیے معاف جو کچھ مجھ سے ہو گلا
رو کر کہا علیؑ ولی نے بتولؑ سے
حافظ خدا ہے جائیے ملنے رسولؐ سے

اللہ جانتا ہے رضا مند ہے علیؑ افسوس آ کے موت کسی کی نہیں ٹلی
اور یوں میں عذر خواہ کہ ہے دل میں بے کلی مشہور ہے تمہاری غریبی گلی گلی

مخفی نہیں ہے رحمت و محنت جہان میں
فاقے کئے ہیں تم نے علیؑ کے مکان میں

اسما سے بولی اُمتِ احمدؐ کی پردہ پوش ہٹ جائیں سب جا ہیئے اسرم بکا کا جوش
کریوں دُعا خدا سے ابھی ہیں حواس ہوش پھر تم کو اختیار ہے جب ہونگی میں خموش

کھل جائے گا گذر گئی مدّت حیات کی
دینا خبر علیؑ ولی کو وفات کی

پھیلائے ہاتھ جانب قبلہ بتولؑ نے چادر سے منہ چھپا لیا اس دل ملول نے
خالق سے از دل کہے بنتِ رسولؐ نے آغوش اپنی کھول دی بابِ قبول نے

جب ہو گئیں خموش تو اسما نے آہ کی
آواز دے کے چہرے کی جانب نگاہ کی

دیکھا کہ جاں بحق ہوئی وہ آسماں جناب شید پدر کی خلد میں ہے کون دے جواب
ناگاہ آئے فاطمہؑ کے ماہ و آفتاب بنتِ عمیس سے کیا آتے ہی یہ خطاب

خاموش کیوں ہیں غش میں ہیں اماں کہ سو گئیں
اس نے کہا کہ داخل فردوس ہو گئیں

عمامے پھینک پھینک کے دوڑے وہ نوحہ گر ۔ آ کر سرہانے ماں کے حسنؑ تھام کر جگر
قدموں میں گر کے رونے لگا دوسرا پسر ۔ اسما پکاری اپنے پدر کو کرو خبر
روتے ہوئے وہ جانب مسجد رواں ہوئے
لائے علیؑ کو حشر کے ساماں عیاں ہوئے

فرمایا رو کے ساقیٔ کوثر نے کیا کہوں ۔ دشمن کا ظلم دیکھ کے صدمہ ہوا فزوں
افسوس بعد مرگ بھی چہرہ ہے نیلگوں ۔ ہے ایک آنکھ فاطمہؑ کی سُرخ مثلِ خوں
معصومہ پر یہ شدتِ آزار ہے غضب!
ٹوٹا ہوا ہے بازوئے خمدار ہے غضب

کفنایا بعد غسل کے حیدرؑ نے کی فغاں ۔ سب نے کیا وداع جنازہ ہوا رواں
گزری تھی نصف شب کہ چلا ہادیٔ جہاں ۔ مٹی تھی جس مقام کی تابوت لائے وہاں
کرتی تھیں جس کو یاد خدا نے وہ گھر دیا
روئے نماز پڑھ کے علیؑ نے دفن کر دیا

جو جو شریک دفن تھے محزوں ہوئے کمال ۔ پلٹے مکاں کو روتے ہوئے شاہِ ذوالجلال
ہر وقت سوگواروں کا بڑھتا گیا ملال! ۔ ماتم نشیں تھیں زینبؑ و کلثومؑ خستہ حال
صورت نظر نہ آئی کسی وقت چین کی
فریاد وہ حسنؑ کی وہ آہیں حسینؑ کی

مرثیہ نمبر ۶

وفات حضرت سیدہؑ

جب خلق سے وقتِ سفرِ فاطمہؑ آیا
تب زینبؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
روئی بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سنایا

اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار
محبوبِ الٰہی کی امانت سے خبردار

بیٹی اسے زہرا نے بڑے کد سے ہے پالا
یہ وہ گُہرِ جسم کی ہے گیسوؤں والا
سمجھی اسے آنکھوں کی ضیا گھر کا اُجالا
حجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا

سوئی ہوں تو پہلے اسے چھاتی پہ سُلا کر
چکی بھی جو پیسی ہے تو گودی میں لٹا کر

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانا
شبیرؑ کو میری نظرِ بد سے بچانا
تکلیف بھی نہ بیچو ایذا بھی اٹھانا
صدقے گئی مادر کی وصیت بھلانا

ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ
جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ

یہ خیر ہے جس سال لگے گھٹنوں سے چلنے — میں چھوٹے سے تلووں کو لگی آنکھوں سے ملنے
دی طاقتِ رفتار جو خلاقِ ازل نے — یہ نامِ خدا تب لگے اُٹھ اُٹھ کے سنبھلنے
ہر گام پہ سایہ کی طرح ساتھ پھری ہوں
ٹھوکر کبھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

یوں سوچ کے پھر بولی کہ اے زینبؑ ناچار — ان باتوں کو میری نہ بھلانا تو خبردار
کہہ یہ تو کہ اولاد اگر دے تجھے غفّار — ور ہو مرا شبیرؑ مصیبت میں گرفتار
احسان کبھی کیا تو حسینؑ ابنِ علیؑ پر
وہ بولی میں صدقے کروں بیٹوں کو اخی پر

زہراؑ نے کہا بس یہی میری ہے تمنّا — اے بیٹی میں خوش تجھ سے چلی دودھ بخشا
پھر رو کے یہ حیدرؑ سے کہا بنتِ نبیؐ زہراؑ — اب آپ سے ہے یہ سخن آخری میرا
میں قبر میں پھاڑوں گی گریبان کفن کو
ایذا نہ ہو کچھ میرے حسینؑ اور حسنؑ کو

مشہور ہے سب خلق میں یا شیرِ الٰہی — بچوں کی ہے بن ماں کے خرابی و تباہی
سو فاطمہؑ زہراؑ بھی ہے اب خُلد کو راہی — تنہائی مرے بچوں کی تقدیر نے چاہی
لپٹائیو سو بار گلے شام و سحر میں
میں قبر میں تڑپوں گی جو یہ روئیں گے گھر میں

کیا بچوں کا حق ماں پہ ہے کچھ آپ نے جانا پیوند پھٹے کرتوں کا نہلانا دھلانا
خود خاک پہ سونا انھیں بستر پہ سُلانا خود فاقہ کشی کرنا غذا ان کو کھلانا

ہر طرح سے آرام انھیں دیجیو صاحب
زہرا سے بھی پیار ان کو سوا کیجیو صاحب

اس بات کو کہیے تو کہوں جوڑ کے میں ہاتھ ہاتھ اُن پہ اُٹھانا نہ لے سیّد سادات
مخصوص یہ شبّر ہے مرا لاڈلا خوش ذات رو دیتا تھا گر غصے میں کہتی تھی اک بات

سب گود میں لیں مرتبہ قرآں کا سمجھ کر
گھر کے نہ کوئی اب سے بن ماں کا سمجھ کر

پھر روئی بہت مل کے گلے بیٹوں سے زہرا فرمایا تمھیں دلہنے آہ نہ دیکھا
فضّہ سے کہا قبر نبی پر انھیں لے جا رو لیں مرے سامنے یہ اُن کو تو بہلا

اے فضّہ کبھی رنج انھیں ہونے نہ دینا
پیاروں کو مرے مرنے پہ بھی رونے نہ دینا

یہ کہہ کے کیا بند درِ حجرۂ اطہر سب خورد و کلاں رونے لگے آ کے باہر
آواز سنی کلمۂ طیب کی مکرر پھر کچھ نہ صدا آئی کہا سب نے یہ رو کر

لو اٹھ گئی دنیا سے نشانی بھی نبی کی
رحلت ہوئی بس آج رسول مدنی کی

سر کھولے ہوئے لونڈیوں نے منہ پہ ملی خاک　　یوں تڑپیں زمیں پر کہ لرزنے لگے افلاک
رونے لگی فردوس میں روحِ شہِ لولاک　　کلثومؑ نے ننھا سا گریبان کیا چاک

میں کیا کہوں کیا زینبؑ مضطر کی صدا تھی
ہے ہے مری مادر، مری مادر کی صدا تھی

بی بی ہمیں بعد آپ کے زیست اپنی ہے بھاری　　ہم لونڈیوں کی قدر تھی روتی ہے تمہاری
اماں کوئی پوچھے گا نہ اب بات ہماری　　زینبؑ کو تو ہمراہ لو میں آپ کے واری

بابا کی ملاقات کو تنہا ہی چلو گی
اک لونڈی بھی خدمت کے لئے ساتھ نہ لو گی

اماں میں تری کونسی شفقت کو کروں یاد　　پیار آپ کے یا آپ کی الفت کو کروں یاد
یا آسیائی کی مشقت کو کروں یاد　　یا فاقہ کشی کی میں ریاضت کو کروں یاد

کہنہ ہے ہر اک رختِ بدن ہائے تمہارا
اب آئے تو جنت سے کفن ہائے تمہارا

القصہ کہ دن ماتمِ زہرا ہی میں گزرا　　شب آئی کھلے گیسوؤں سے دینے کو پرسا
حیدرؑ نے کیا غسل کا ساماں مہیا　　معصومہؑ کے اک ہاتھ پہ دُرّہ جو لگا تھا

وہ دستِ جواں آہ خمیدہ نظر آیا
یہ دیکھتے ہی منہ کو علیؑ کا جگر آیا

نہلا کے جو کفنانے لگے میتِ زہراؑ — زینبؑ نے یہ کی عرض حضورِ شہِ والا
اماں کا مری ہاتھ تو سیدھا کرو بابا — وہ رو کے پکارے یہ خمیدہ ہی رہیگا

تابوت میں پھر میتِ زہراؑ کو لٹا کر
سب سے کہا لو بیبیو رخصت کرو آ کر

سب لونڈیاں تابوت پہ ہونے لگیں قرباں — مُردے کی بلائیں لیں پکار کے بی بی نے اس آں
زینبؑ نے کہا بی بی وطن کر کے چلیں حیراں — بابا کیلئے جان دی روتے ہوئے گریاں

بے حشر کے منہ ہم کو نہ دکھلاؤ گی بی بی
کل سے کو اب اس گھر میں کبھی آؤ گی بی بی

تابوت پہ زینبؑ کا یہ تھا نالۂ جانکاہ — رخصت کو حسینؑ اور حسنؑ آئے جو ناگاہ
تابوت میں زہراؑ کو ہوئی تب حرکت آہ — اور بندِ کفن فاطمہؑ کے کھل گئے واللہ

سر خم کئے تابوت پہ فرزند کھڑے تھے
اور گردنوں میں فاطمہؑ کے ہاتھ پڑے تھے

کہتے تھے علیؑ فاطمہؑ کے مُردے سے یہ بات — بس فاطمہؑ بس ہو چکی بیٹوں سے ملاقات
فرزندوں کی گردن سے جدا کیجئے اب ہات — رخصت بھی ہوا اب تو دن اور سے کا کیا ساتھ

ملنے میں مسافر کے یہ دیری نہیں ہوتی
میت سے صدا آتی تھی سیری نہیں ہوتی

مرثیہ نمبر ۶

انہدام جنت البقیع

جانِ نبیؐ و خاصۂ داور ہے فاطمہؑ کچھ شک نہیں شفیعِ محشر ہے فاطمہؑ
سبطینِ ذی وقار کی مادر ہے فاطمہؑ افسوس آج بیکس و بے پر ہے فاطمہؑ
جنت میں چین ہوگا کیونکر رسولؐ کو
توڑا ہے نجدیوں نے مزارِ بتولؑ کو

دن آج ہی کا تھا یہ قیامت ہوئی بپا تاریخ آٹھویں تھی مہینہ یہی تو تھا
اعدا نے ڈھا دیا لحدِ بنتِ مصطفٰےؐ حیرت ہے کیوں جہاں میں نہ محشر ہوا بپا
نازل عذاب اُن پہ الٰہی شتاب ہو
بے دینِ قومِ نجد کا خانہ خراب ہو

زندہ رہیں تو باپ کو رونے نہیں دیا محروم جائدادِ محمدؐ سے کر دیا
دروازہ گر ایا تو محسنؑ کی قضا پہلو شکستہ ہو گیا ظلم ایسا کچھ کیا
راحت نہ دی حیات میں بنتِ رسولؐ کو
مسمار آج کر دیا قبرِ بتولؑ کو

اللہ کوئی پوچھنے والا ذرا نہیں — قبروں میں بھی تو چین سے آلِ عبا نہیں
اس ظلم کی خدا کی قسم انتہا نہیں — غیرت ہے آسمان کیوں پھٹ پڑا نہیں

جسکی نہیں نظیر ہے ایسا ستم کیا
ان نجدیوں نے کعبۂ ایماں کو ڈھا دیا

اے قبرِ سیدہؑ تری حرمت کے میں نثار — اے قبرِ سیدہؑ تری عزت کے میں نثار
اے قبرِ سیدہؑ تری عظمت کے ہیں نثار — اے قبرِ سیدہؑ تری عزت کے ہیں نثار

اعدا نے مرتبہ ترا جانا نہ حیف ہے
اقوالِ مصطفےٰؐ کو بھی نہ مانا حیف ہے

عباسؑ نامدار مدینے کو جلد آؤ! — مولا خدا کے واسطے دیر نہ اب لگاؤ!
اعدا کو ذوالفقار کا جلدی مزہ چکھاؤ — ان نجدیوں کو زورِ یداللہ کا دکھاؤ

توہین کی ہے آپ کی ماں کے مزار کی
لعنت ہو اہلِ نجد پہ پروردگار کی

مولا ظہور کیجئے ترحم کا ہے مقام — واللہ انتظار تمہارا ہے صبح و شام
افسوس ہے کہ آئیں نہ جائیں ہمارے کام — پرسے کو یا امامِ زماں آ گئے ہیں غلام

توہین کی لعینوں نے احمدؐ کی آل کی
ڈھایا لحد کو فاطمہؑ خوشخصال کی

مرثیہ نمبر ۸

انہدام جنت البقیع

اے چرخ تیرے ظلم کی کچھ انتہا نہیں　　یہ سچ ہے کہ کسی سے کبھی تو نے ڈرا نہیں
لیکن بتا دے کیا تجھے خوفِ خدا نہیں　　یا فاطمہؑ سے بھی تجھے شرم و حیا نہیں
زہراؑ کی قبر نجدیوں نے حیف ڈھا دیا
سچ تو یہ ہے کہ کعبۂ ایماں گرا دیا

کعبہ کو ڈھایا مرقدِ زہراؑ جو ڈھا دیا　　کعبہ نہیں تھا عرشِ خدا تھا گرا دیا
یہ ظلم وہ ہے جسکی نہیں کوئی انتہا　　پروردگار عصمتِ زہراؑ کا واسطہ
نازل بلا ہو ان پہ کوئی آسمان سے
جلدی مٹا دے نجدیوں کو تو جہان سے

جانِ رسولؐ خامسۂ داور وہ فاطمہؑ　　شوہر ہے جس کا ساقئ کوثر وہ فاطمہؑ
شبیرؑ و مجتبیٰؑ کی جو مادر، وہ فاطمہؑ　　پہلو پہ جس کے ہائے گرا در وہ فاطمہؑ
تلوار اور پہلوئے زہراؑ ہزار حیف
پشتِ مبارک آپ کی دُرّے سے ہزار حیف

تھیں پانچ سال کی کہ خدیجہؑ نے کی قضا — مادر کا سایہ سر سے اُٹھا وا محمداؐ

اٹھارہویں برس میں پدر سے ہوئی جُدا — جھیلیں مصیبتیں وہ نہیں جسکی انتہا

زندہ رہیں تو باپ کو رونا نہیں ملا

بعدِ رسولؐ چین سے سونا نہیں ملا

بیت الحزن کو جاتی تھیں زہراؑ پئے بکا — افسوس اُس جگہ کو بھی اُمت نے ڈھا دیا

سایہ میں بیٹھنا بھی گوارہ نہیں ہوا — یہ قدرِ فاطمہؑ کی ہوئی وا محمداؐ

کیسا کروں بیان جو ظلم و ستم ہوئے

باہر شمار سے ہیں وہ رنج والم ہوئے

کیوں مومنو کلیجہ تمہارا نہ مُنہ کو آئے — دروازہ فاطمہؑ کے شکم پر گرایا ہائے

صدمے سے جس کے حضرت محسنؑ فنا ہوئے — یہ سیدہؑ نے باپ کی اُمت سے دکھ اُٹھائے

عالم میں اس طرح سے کسی پر جفا نہ ہو

مظلومہ فاطمہؑ سی کوئی یا خُدا نہ ہو

سُنتے ہیں مومنین تو کرتا ہوں میں بیان — بربادیٔ قبورِ آئمہؑ کی داستان

قبرِ حسنؑ پہ باندھی ہیں اعدا نے بکریاں — اُونٹوں کو لیکے جاتے ہیں ہر وقت ساربان

کی شرم کچھ خُدا سے نہ اس کے رسولؐ سے

اللہ سمجھے جلد یہ قوم جہول سے

رنج والم کی دل پہ گریں کیوں نہ بجلیاں — مسجد علیؑ کی گوشت کی دکان الاماں
قبر خدیجہؑ پہ تو برستی ہیں گولیاں — اس واسطے کہ فاطمہؑ زہراؑ کی تھی یہ ماں

امت نے خوب قدر رسالت مآبؐ کی
قبریں بھی اہلبیتؑ کی ہے ہے خراب کی

جی چاہتا ہے کاٹ کے مرجائیں خود گلا — مولد نبیؐ کا ہو گیا افسوس مزبلہ
کس منہ سے یہ کہوں کہ ہوئے ظلم اور کیا — قبر بتولؑ پاک کو کچرے سے بھر دیا

کچرے میں روز آگ لگاتے ہیں حیف ہے
بنت نبیؐ کی قبر جلاتے ہیں حیف ہے

یارو تباہ ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے — امت کو آہ پاس رسول خداؐ بھی ہے
بڑھ کر کوئی جہاں میں اس سے جفا بھی ہے — قبروں میں حیف آگ لگانا روا بھی ہے

حق کی قسم نہ رحم سے یا شاہ کام لو
یا مصطفےٰ لحد سے اٹھو انتقام لو

ہم دیکھیں ہائے قبر فاطمہؑ مٹ جائے حیف ہے — زہراؑ کی قبر آگ سے جل جائے حیف ہے
شیعوں کو سن کے بات چین آئے حیف ہے — مومن گلا نہ کاٹ کے مر جائے حیف ہے

دیو لعین ہا: جینے سے ان کا یہ کام ہے
سادات کو تو دہر میں رہنا حرام ہے

مرثیہ نمبر ۹

شہادت حضرت امام حسنؑ

جب دم حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے جگر ہوا — سیپارہ دل کا آہوں سے زیر و زبر ہوا
سم کا جو روئے پاک پہ ظاہر اثر ہوا — حال اُس امامِ پاک کا اس دم دیگر ہوا
راحت میں فرق اور شکم میں خلل ہوا!
کٹ کر کلیجہ طشت کے اندر نکل پڑا!

دوڑیں جنابِ زینبؑ بیکس بہ حسرت و یاس — دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰؑ!
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا — ہے ہے حسن نثار ہو بھائی یہ کیا ہوا!
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا!
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا!

تکیہ لگا کے بیٹھے حرم جو زِ دہر — بازو کو تھام لیتی تھی کوئی تو کوئی سر
فرمایا لاؤ طشت ہوا زہر کا اثر — ایذا دے کے کون کاٹتا ہے تیغ سے جگر
بڑھتا تھا جب کہ درد جگر میں امام کے
جھکتے تھے بار بار کلیجہ کو تھام کے

زینبؑ نے جلا کے رکھا سامنے لگن ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سر زمن
آئی جو قے تو کان جواہر بنا دہن الماس کھا کے لعل اگلنے لگے حسن

رنگ زمردی کا اثر اب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب عیاں ہوا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو تھا دم بدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حال زار سناؤ حسینؑ کو ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو

کہدو کہ جلد آئیے رحلت کا وقت ہے
سن جائیے کچھ آکے وصیت کا وقت ہے

آئے حسینؑ اتنے میں با چشم اشکبار چلاتے تھے کہ آپکی غربت کے میں نثار
شبرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار ہیں تم پہ صدقے اے مرے انکے یادگار

مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت پہ روئیں گے

بھیا تمہاری گود میں نکلے گا میرا دم تم دوگے ہم کو غسل و کفن جب مرینگے ہم
ہوگا تمہارے پاس نہ کوئی بجز الم قاتل سرہانے ہوئیگا یا خنجر ستم

شبرؑ تو بعد مرگ بھی راحت سے سوئیگا
لاشہ تمہارا گھوڑوں سے پامال ہوئے گا!

بولے کٹورہ لے کے حسینؑ فلک جناب
دیکھوں تو پی کے میں بھی کس طرح کا ہے آب
بھائی سے لپٹی دوڑ کے زینبؑ جگر کباب
پکڑا حسنؑ نے دستِ برادر بصد شتاب

جلدی سے پی لیں یہ قلق تھا امام پر
اِک ہاتھ تھا کلیجہ پہ اِک ہاتھ جام پر

برپا تھا اہلبیتِ پیمبرؐ میں شور و شین
بہنیں پچھاڑیں کھاتی تھیں کرتے تھے بین
چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ
اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین

دل اب ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

غسل و کفن امام کو جب دے چکے امام
اور جمع ہو چکے در دولت پہ خاص و عام
جسدم اُٹھا جنازۂ شہزادۂ امام
کرتے تھے انبیائے اولوالعزم اہتمام

تھے شیثؑ و نوحؑ چاک گریباں کئے ہوئے
الیاسؑ و خضرؑ حال پریشاں کئے ہوئے

تابوت پر جو تیر لگے آ کے ناگہاں
آمادہ نبرد ہوئے شاہِ انس و جاں
آئی ندائے غیب کہ یا شاہ دو جہاں
سوتی ہے فاطمہؑ زہرا بصد فغاں

جنبش میں اس الم سے پیمبرؐ کی قبر ہے
اے شیر حق کے شیر یہ ہنگام صبر ہے

واں دی کسی نے زینبؑ بیکس کو یہ خبر — جلتے ہیں تیر ظلم حسنؑ کے جنازے پر
تیغیں کھینچے ہیں غیظ میں ہیں شاہ بحر و بر — یہ سن کے پیٹنے لگی ہاتھوں سے اپنا سر
چلائی گھر سے مضطرب الحال جاتی ہوں
قبر نبیؐ پہ کھولے ہوئے بال جاتی ہوں

زخمی نہ ہو کہیں پسر ضیغم الٰہ — ہم بیکسوں کا اب یہی وارث ہے شاہ
اک بھائی کو تو قتل کیا دشمنوں نے آہ! — کچھ ان پہ بن گئی تو یہ گھر ہو گیا تباہ
اب تو حسینؑ سے تا بہ قیامت جدائی ہے
ہے ہے یہی جہان میں مرا ایک بھائی ہے

رو کر بیاں کرتی تھی یاں زینبؑ حزیں — واں لے گئے بقیع میں تابوت شاہ دیں
مہر سپہر دیں ہوا پنہاں تہ زمیں — رویا لپٹ کے قبر سے زہراؑ کا نازنیں
محشر بپا تھا نالہ و فریاد و آہ سے
ہفتاد تیر نکلے تھے تابوت شاہ سے

maablib.org

مرثیہ نمبر ۱

شہادت حضرت امام حسنؑ

مسجد میں قتل جب شہِ خیبر شکن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؑ ہوئے
سبطِ نبی حسن جب کہ امامِ زمن ہوئے
ممنونِ فیضِ عام سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خُلقِ حسنؑ کا شور تھا عرشِ بریں تلک

اخبارِ صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اسما تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
اُس کے خلاف رہتے تھے مولا جو بدگماں
کہتے تھے لوگ اس کا پتا دیجئے نشاں
فرماتے تھے گریز نہیں ہے حماقت سے
قطعِ حیات ہے شدنی اس کے ہاتھ سے

آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
شہد و رطب میں زہر دیا اُس نے تین بار
دردِ شکم سے رہتے تھے نالاں بے قرار
سو سو طرح کے رنج تھے و لیکن جاں نثار
کیا بیکسی تھی راحتِ جانِ بتول پر
جا جا کے لوٹتے تھے مزارِ رسول پر

مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام | گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام
یثرب میں اک مکان تھا بنا کردۂ امام | منظور ہو گیا شبِ رحلت وہیں مقام

رشکِ بہشت و غیرتِ باغِ جناں ہوا
اُس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

وہ سبطِ مصطفیٰؐ کی شہادت کی رات تھی | آفت کی رات تھی وہ مصیبت کی رات تھی
عالم کے بادشاہ کی رحلت کی رات تھی | زہراؑ و مرتضیٰؑ پہ قیامت کی رات تھی

گزری قلق میں فاطمہؑ کے نورِ عین کو
ہجرِ حسنؑ میں نیند نہ آئی حسینؑ کو

پڑھ کر نمازِ شب کو جو سوئے شہِ اُمم | اسما نے پھر ملا دیا پانی میں آ کے سم
زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد الم | بھینا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم

رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر روئے پاک تھا
محبوبِ کبریا کا گریباں چاک تھا

نانا گلے لگا کے یہ کہتے تھے بار بار | اے بیکس و غریب حسنؑ میں ترے نثار
بیٹھے تھے میرے گرد علیؑ کو نہ تھا قرار | اماں بلائیں لے کے کرتی تھیں مجھکو پیار

پوچھا جو میں نے آپ کا کیوں رنگ زرد ہے
رو کر کہا کہ آج کلیجے میں درد ہے

فرمایا یہ حسنؑ نے اور اٹھایا زمیں سے جام
پایا درست اُس کو تھا جو مُہر کا مقام
تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ کام
دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام
یہ کہتے تھے کہ زرد رُخ پاک ہو گیا
چلاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا

دوڑیں جناب زینبؑ بیکس برہنہ پا
دیکھا کہ لوٹتے ہیں بچھونے پہ مجتبیٰؑ
بولی یہ سر کو پیٹ کے وہ غم کی مبتلا
ہے ہے بہن نثار ہو بھیا یہ کیا ہوا
کیا پھر کسی نے زہر دغا سے پلا دیا
کس نے مرے کلیجے پہ خنجر پھرا دیا

بولے امام آہ نہیں طاقتِ سخن
جس کی کوئی دوا نہیں وہ درد ہے بہن
لپٹی گلے سے بھائی کے رو کر وہ خستہ تن
یہ بیقرار تھے کہ سنبھلتے نہ تھے حسنؑ
در آیا تھا جو زہر جگر میں امام کے
جھکتے تھے بار بار کلیجے کو تھام کے

تکیے لگا دیئے تھے حرم نے اِدھر اُدھر
بازو کو کوئی تھامتی تھی اور کوئی سر
فرمایا طشت لاؤ ہوا زہر کارگر
رہ رہ کے کاٹتا ہے کوئی تیغ سے جگر
سینے سے منھ میں ٹکڑے کلیجے کے آتے ہیں
نانا بلا گئے تھے سو دنیا سے جاتے ہیں

زینبؑ نے جا کے دیکھا سامنے لگن ہاتھوں سے دل پکڑ کے جھکے سر پہ زن
آئی جو قے تو کانپ جو اہر بنا دہن الماس کھا کے لعل اُگلنے لگے حسنؑ

رنگِ زردی کا سبب سب عیاں ہوا
معراج کی حدیث کا مطلب بیاں ہوا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو تھا دم بدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو
بھائی کا حالِ زار سناؤ حسینؑ کو ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو

کہہ دو کہ جلد آئیے یہ رحلت کا وقت ہے
سن جائیے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے

فضہؑ نے جا کے دی شہِ ذی جاہ کو خبر دارِ فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر
دوڑے حسینؑ چاک گریباں برہنہ سر دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہِ بحر و بر

گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا
پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

دکھلا کے طشت بنتِ علیؑ نے کیا مقال قربان جاؤں دیکھئے مجتبیٰؑ کا حال
اُمید اب نہیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال فریاد ہے تباہ ہوئی مصطفےٰؐ کی آل

اک آن درد سے نہیں بھائی سنبھلتے ہیں
رہ رہ کے اب کلیجے کے ٹکڑے نکلتے ہیں

بھائی کا حال دیکھ کے اُٹھا جگر میں درد
لوٹے زمیں پہ گر کے بھری گیسوؤں میں گرد

تر تھا بدن پسینے میں اور ہاتھ پاؤں سرد
اُن کا تو رنگ سبز تھا اور ان کا رنگ زرد

رعشہ تھا تن میں آنکھوں سے آنسو نکلتے تھے
جُھک جُھک کے مُنہ کو بھائی کے قدموں سے ملتے تھے

ہر دم لپٹ کے بھائی سے باچشم اشکبار
چلاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار

شبّر گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار
میں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار

تجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے
ہم قبر میں تمہاری مصیبت میں روئیں گے

یہ کہتے تھے کہ غش ہوئے شاہِ فلک جناب
غمگیں تو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب

حاضر تھی رُوحِ احمدؐ و زہراؑ و بوترابؑ
وا تھے برنگِ دیدۂ نرگس جناں کے باب

تشریف خُلد کو شہِ ذی جاہ لے گئے
جدّ و پدر جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

برپا تھا اہلبیتِ محمدؐ میں شور و شین
بہنیں تجھاڑ رہی تھیں خاک کہ بھائی تھے کہیں

چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلاتے تھے حسینؑ
اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم بیکسوں کا چین

بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا
باپ آج ہم سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

مرثیہ نمبر ۱۱

مدینہ سے قافلۂ امام حسینؑ کا سفر

فرزندِ پیمبر کا مدینہ سے سفر ہے | سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
درپیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے | گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے
گل رو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش | عمامے سروں پر ہیں عبا ئیں بسر دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش | حیراں کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش
منہ ملتا ہے رو رو کے کوئی سرورِ قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

عباسؑ کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ | آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویر ید اللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ | واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے خیر کی تحنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہمسن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں یہ نہیں ممکن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہیں دن

تم حضرت شبیرؑ کے سایہ میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

ہمجولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
ہاں بھائیو تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہمیں ہے شاہ نے ہم جائیں کیونکر
ماموں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر

وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہوں۔
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

رخصت کیلئے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پر نم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم

خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبی کے
روضہ پہ اداسی ہے رسول عربی کے

حاضر در دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
چلاتے ہیں دربان کہ ہٹ جائے نہ خبردار

ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوٹ پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لئے فراش کھڑے ہیں

عورات محلہ چلی آتی ہیں بصد غم — کہتی ہیں یہ دن رحلت زہرا سے نہیں کم
مجمع سے کسی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

لے لے کے بلائیں یہی سب کہتی ہیں تقریر — اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلم کا خط آلے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

وہ گھر ہے کہ ملک رہتے تھے جس گھر کے نگہباں — کیوں اپنے بزرگوں کا مکاں کرتے ہیں ویراں
کوفہ کی بھی خلقت تو نہیں صاحب ایماں — بی بی یہ مدینہ کی تباہی کا ہے ساماں
اک ایک شقی دشمن اولاد علیؑ ہے
شمشیر ستم واں سر حیدرؑ پہ چلی ہے

ان بیبیوں سے کہتی تھیں شاہ کی ہمشیر — بہنوں ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر — یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ
مجھکو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل | تیار ہیں دروازہ پہ سب ہودج و محمل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل | رخصت کرو لوگوں کو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کو ابھی قبر پیمبر پہ ہے جانا | کیا جانئے پھر ہو کہ نہ ہووے مرا آنا
اماں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا | اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

آخر تو لئے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسن سے

سنکر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری | میں لٹتی ہوں کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری | بے کس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ زاری

اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے | بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے | کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اسکو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لیجاؤں سفر میں

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو || اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو || آنکھوں کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں ری آئے ہیں مری جاں || جو کہنا ہو وہ لو کہ یہاں اٹھ رہے ساماں
دیکھو تو ادھر روتے ہیں بی بی شہ ذیشاں || صغرا نے کہا ان کی محبت کے میں قرباں
وہ کونسا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو کیا مجھ سے جدا ہوتے ہیں بابا

شبیر کا منھ تکنے لگی بانوئے مغموم || صغرا کے لئے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم || پردہ رہا اب کیا تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارۂ وطن ہوتے ہیں صغرا

لُو چلتی ہے خاک اڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام || جنگل میں نہ راحت ہے کہیں راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام || دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے تو تکلیف گذر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا یوں کہ کسی کا نہیں زنہار | سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار | اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مرتے سے محبت نہیں کرتا

ہمشیر کے عاشق ہیں مست سلار ہیں اکبر | اتنا نہ کہا مر گئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں وہ ہیں صبح سے باہر | وہ کیا کریں برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیوں کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

پاس آ کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر | کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دلگیر | محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پہ سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخسار و خط سبز کے نکلنے کے میں صدقے | تلوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے | افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
جلد آن کے بہنا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

مرثیہ نمبر ۱۲

مدینہ سے قافلۂ امام حسینؑ کا سفر

جب کوچ کی شب قبر نبیؐ پر گئے شبیرؑ | رخصت کو مع آل پیمبرؐ گئے شبیرؑ
قندیل جو روشن کی تو غش کر گئے شبیرؑ | زینبؑ نے یہ جانا کہ بس اب مر گئے شبیرؑ
تھی غش میں ندا ہم اسی حسرت میں مرینگے
اب روشنی اس قبر پہ کل ہے کو کرینگے

اے نانا کے روضے مرا گھر ہوتا ہے ویراں | اے قبر حسینؑ آج کی شب ہے ترا مہماں
کل صبح مری آخری منزل کا ہے ساماں | کل روح مرے نانا کی ہوویگی پریشاں
اے قبر میں دکھ پاؤں گا پردیس میں جا کر
تو شق ہو تو نانا سے لپٹ جاؤں میں آ کر

اے قبر میں کیسا ترے صاحب کا ہوں پیارا | سجدے میں مجھے پشت سے اپنے نہ اتارا
اب زانوئے جلاد ہے اور سینہ ہمارا | سنیو کہ مجاور ترا پیاسا گیا مارا
تیری تو ملاقات کی یہ رات ہے باقی
پھر گردن و خنجر کی ملاقات ہے باقی

پھر ہاتھ اُٹھا کر یہ سوئے قبلہ سُنایا | اس قبر کے صاحب کی قسم تجکو خدایا
وہ صبر مجھے دے جو کسی نے نہ ہو پایا | نانا کہیں اس نے مری اُمّت کو بچایا
وہ حلم عطا کر تو حسینؑ ابن علیؑ کو
سب مجھکو ستائیں نہ ستاؤں میں کسی کو

دُنیا سے اُٹھوں پاک میں اے خالقِ سبحاں | محشر میں مرا ہاتھ ہو اور شمر کا داماں
کوئی رے تیرے شبیر کا پکڑے نہ گریباں | ہوں داد طلب حشر میں بیکس مری اماں
گردن پہ مری مظلمہ ہوے نہ کسی کا
باقی رہے اُمّت پہ قصاص آلِ نبیؐ کا

اصغر کو لئے رن میں روتا ہوا جاؤں | لیکن ترے دربار میں ہنستا ہوا آؤں
اُمّت جو ستائے مجھے میں رنج نہ کھاؤں | نفرین نہ کروں بد نہ کہوں لب نہ ہلاؤں
اصغر کو جو پانی نہ دیں میں کچھ نہ سناؤں
اکبر کو جو بسمل کریں میں ان کو دُعا دوں

چھوٹے کئی سیّد ہیں مرے ساتھ چلے آہ | مرجائیں اگر رستہ میں یہ دھوپ سے ناگاہ
بے دفن انھیں چھوڑ کے مقتل کی میں لوں راہ | آئی یہ ندا عرش سے کیا حوصلہ ہے واہ
شبیر تجھے کام ہے خوشنودیٔ رب سے
رُتبہ تجھے ہم دینگے سوا تیری طلب سے

شبیرؑ نے سر شکر کے سجدے میں جھکایا || اور پہلوئے مرقد میں مصلّے کو بچھایا
سوئے جو عبادت میں تو نانا نظر آیا || نانا نے انھیں قبر سے نکلا ہوا پایا

دیکھا کہ گلے ملنے کے ارمان بڑے ہیں
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو مرقد میں کھڑے ہیں

شبیرؑ نے سر نانا کی چھاتی سے لگایا || رو کر کہا جس دن سے اٹھا آپ کا سایا
بابا کی قسم چین نہ ہم نے کہیں پایا || اب لے چلو ساتھ اپنے کہ امت نے ستایا

جانے دو سفر میں نہ مجھے چھوڑو وطن میں
ہم تم رہیں اک قبر میں اور ایک کفن میں

وہ بولے کہ کیا وعدہ وفا کر چکے شبیرؑ || سر کو مری امت پہ فدا کر چکے شبیرؑ
کیا لاشۂ اکبرؑ پہ بکا کر چکے شبیرؑ || خنجر کے تلے شکر خدا کر چکے شبیرؑ

کیا اوڑھ کے لاشے پہ ترے گر چکی زینبؑ
کیا کوفے میں سر کھولے ہوئے پھر چکی زینبؑ

کیا ہاتھوں پہ تیرے علی اصغرؑ گئے مارے || کیا لٹ گیا گھر اور جلے خیمے بھی سارے
شبیرؑ یہ سب ظلم ہیں آنے ہیں تمھارے || کیا یہ کلمہ گو نہیں تم کو مرے پیارے

گر خلق کو کٹوا چکے ہو آؤ مری جاں
امت کو جو بخشا چکے ہو آؤ مری جاں

رو کر ہوئے بیدار شہ کرب و بلائی | زینب نے حضور آن کے یہ بات سنائی
نانا سے جو تم کہتے تھے میں سنتی تھی بھائی | سر پیٹتی اماں بھی مرے خواب میں آئی
بابا کو بہت آنسو بہاتے ہوئے دیکھا
شبر کو بھی ہاں خاک اڑاتے ہوئے دیکھا

روضہ میں نبی زادیوں نے شور مچایا | جب نوحہ کیا قبر پیمبر کو ہلایا
تب گرد لحد بانو نے اصغر کو پھرایا | اور قبر سے معصوم کے ماتھے کو لگایا
کہتی تھی کہ اب موت کے گھر چلتے ہو گھر سے
اب گھٹنیوں پھر لو کہ پھرو گے نہ سفر سے

روضہ میں پیمبر کے تو یہ حشر تھا برپا | باہر سے بھی رونے کی صدا کچھ ہوئی پیدا
سیدانیاں چلائیں کہ یہ نوحہ ہے کس کا | بانو نے کہا کوئی نہیں ہو تو ہو صغرا
روتی ہے وہی فضہ مرے دل کو خبر ہے
وہ تپ میں ہے اور اس کے مسیحا کا سفر ہے

شہ بولے یہاں کیوں نہیں آتی ہے وہ کیا ہے | فضہ نے کہا روضہ کا در بند کیا ہے
بیٹھی ہوئی دروازہ پہ مشغول بکا ہے | اور قبر پیمبر کی طرف کو یہ صدا ہے
اے نانا اٹھو قبر سے امداد کی خاطر
سب ملنے کو آئے ہیں میں فریاد کی خاطر

بیمار مجھے چھوڑے ہوئے جاتے ہیں بابا | کل سے مرے حجرے میں نہیں آتے ہیں بابا
میں سامنے آتی ہوں تو شرماتے ہیں بابا | زینب کے لیے سواریاں منگواتے ہیں بابا

صغرا کو حوالے کئے جاتے ہیں اجل کے
انصاف کرو قبر منور سے نکل کے

یہ کہتی تھی صغرا کہ ہوئے صبح کے آثار | عباس سے شہ بولے کہ اسواری ہے تیار
اونٹوں پہ قرینے سے چڑھے عترت اطہار | زینب ہے محمل میں سکینہ سے خبردار

چھوٹوں کے نگہبان ہیں جو سن میں بڑے ہیں
دروازے سے صغرا نے کہا ہم بھی کھڑے ہیں

عباس نے کی عرض کہ اے دلبر زہرا | جاؤں کہاں در بند کئے روتی ہے صغرا
آکر عقب در یہ پکارے شہ والا | اے عاشق بابا ترے قربان یہ بابا

منزل کا حرج ہوئے گا لو کھول دو در کو
قربان کرو نانا کی امت پہ پدر کو

وہ بولی نہیں ہم تو نہیں کھولیں گے در کو | لے میرے کربلا جائیے تو آپ سفر کو
ماں نے کہا بی بی نہ کرو تنگ پدر کو | صغرا نے کہا آہ نکل جاؤں کدھر کو

کیا میرے لئے اٹھ گیا انصاف جہاں سے
دیکھو جسے بس یہی کہتا ہے زباں سے

غش ہو گئے صغرا کے بیان سن کے شہ ذیشاں
روضہ میں ہوا شور قیامت سے دو چنداں
صغرا نے بھی در کھول دیا ہو کے پریشاں
بابا کی بلائیں لیں کہا رو کے میں قرباں
صدمہ تمہیں ہوتا ہے میں اب کچھ نہ کہونگی
لو ہوش میں آؤ میں مدینہ میں رہوں گی

سوز

تمہارے سجدوں کو کعبہ سلام کہتا ہے
ادب سے گنبد خضرا سلام کہتا ہے
لہو میں ڈوبے صحرا سلام کہتا ہے
تمہاری پیاس کو دریا سلام کہتا ہے
حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے

حقیقتوں کی تجلی ابھارنے والے
دلوں میں جلوۂ وحدت اتارنے والے
لہو سے دین خدا کو سنوارنے والے
گلا کٹا کے خدا کو پکارنے والے
وہ دیکھو عرش کا پردہ سلام کہتا ہے

مرثیہ نمبر ۱۳

مدینے سے امام حسینؑ کے قافلہ کی روانگی

گھر سے جب بہرِ سفر سیدِ عالم نکلے | سر جھکائے ہوئے با دیدۂ پرنم نکلے
خویش و فرزند کمر باندھ کے باہم نکلے | رو کے فرمایا کہ اس شہر سے اب ہم نکلے
لب سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے

رُخ کیا پہلے سوئے قبرِ شہنشاہِ انام | آ کے نزدیکِ حرم متصلِ بابِ سلام
اذن پا کر جو گئے قبر کے نزدیک امام | عرض کی آیا ہے آج آخری رخصت کو غلام
یہ مکاں چھٹتا ہے اے شاہِ زمن چھٹتا ہے
آج حضرت کے نواسے سے وطن چھٹتا ہے

چین سے سب ہیں گھروں میں مگر مضطر ہے حسین | اب تو آفت میں ہے جینا آپ کا یہ نور العین
ظلم سے اعدا کے ہوتا ہے جب حرم کرتے ہیں بین | ننھے بچوں کو بھلا لے کے کدھر جائے حسین
شہر میں چین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے قبرِ مسافر کو کہاں ملتی ہے

یہ دن ہیں کہ بے پردہ سبھی نہیں چھوڑتے گھر | مجھ کو درپیش ہے ان روزوں میں آفت کا سفر
ساتھ بچوں کا ہے اے بادشہ جن و بشر | ہے کہیں قتل کا ساماں کہیں لٹ جانے کا ڈر
تنگ جینے سے ہوں پاس اپنے بلا لو نانا!
اپنی تربت میں نواسے کو چھپا لو نانا

یہ بیاں کر کے جو تعویذ سے لپٹے سرور | یوں ہی قبر تھرائی ضریح انور
آئی تربت سے یہ آواز حبیب داور | تیری غربت کے میں صدقے مرے مظلوم پسر
کوئی سمجھا نہ مری گود کا پالا تجھ کو
ہائے اعدا نے مدینے سے نکالا تجھ کو

کئی دن سے تری مادر کو نہیں قبر میں چین | آئی تھی شب کو مرے پاس یہ کرتی ہوئی بین
گھر الٹتا ہے فریاد رسول الثقلین | صبح کو اپنا وطن چھوڑ کے جاتا ہے حسین
کہنے آئی ہوں کہ منہ قبر سے موڑوں گی میں
اپنے بچے کو اکیلا تو نہ چھوڑوں گی میں

مختصر یہ کہ شہ نے کیا آخری رخصت کا سلام | نکلے روتے ہوئے اس روضۂ انور سے امام
شہ سے زینبؑ نے یہ اس دم کیا رو رو کے کلام | قبر پر ماں کی مجھے لے چلو یا شاہ انام
جی میں ارمان ہے کہ دل کھول کے دم بھر رو لوں
ماں کی تربت سے میں پھر اک بار لپٹ کر رو لوں

ماں کی تربت پہ گئے شاہ بچشمِ خونبار | اُتری محمل سے بصد آہ و فغاں زینبِ زار
دوڑ کر قبر سے لپٹے جو امامِ ابرار | ہاتھ زہرا کے نکل آئے لحد سے اک بار

آئی آواز نہ رو دل پہ قلق ہوتا ہے
قبر ہلتی ہے کلیجہ مرا شق ہوتا ہے

شہ پکارے کہ خدا حافظ و ناصر اماں | آج سے ہوتا ہے رخصت یہ مسافر اماں
مدتِ زیست کوئی دم میں ہے آخر اماں | اب نہیں آپ کی آنا ہو یہاں پھر اماں

سمجھے تھے ہم لحدیں ایک ہی جا ہوویں گی
کیا قیامت ہے کہ قبریں بھی جدا ہوویں گی

تھی عجب طرح کی اُس وقت قیامت برپا | گردنِ شاہ میں تھے دستِ جنابِ زہرا
اور بصد درد یہی قبر سے آتی تھی صدا | لے مرے بے کس و مظلوم یہ ماں تجھ پہ فدا

تڑپے صدمے سے نہ کیونکر روح ہماری بیٹا
چھوڑتے ہو مری تربت کو میں واری بیٹا

جب تم آتے تھے زیارت کو غریب الوطن | میرے کانوں کو خوش آتی تھی تمہاری صوتِ حسن
ہاتھ تعویذ پہ رکھتے تھے جو اے غنچہ دہن | میں سمجھتی تھی کہ ہے قبر میں شمع روشن

ہائے وہ فاتحہ با دیدۂ گریاں پڑھنا
یاد آئے گا ترا لحن سے قرآں پڑھنا

بولی زینب کہ اس آواز کے بیٹی قرباں | میرے بھائی یہ عجب وقت پڑا ہے اس آں
یہ سفر خوف کا اور ساتھ نہیں کچھ ساماں | کئی لڑکے تو عزیزوں کے ہیں بے حد جواں
جس کے خط آئے ہیں وہ قوم دغا پیشہ ہے
مارے جائیں مسافر یہی اندیشہ ہے

آئی زہرا کی صدا اے مری پیاری زینب | کیا کہوں جو مری روح پہ ہے رنج و تعب
تیرے بھائی مرے شبیر کے تم ساتھ ہو اب | کام آنا یہ مصیبت میں گرفتار ہو جب
واری اماں نہ کسی دکھ میں کنارا کرنا
اپنے بھیا کو نہ اس پیار سے بے پیار کرنا

یہ وہ ہے جس پہ محمد نے پسر کو وارا | کوئی بابا کو نہ تھا اس سے زیادہ پیارا
یہی دنیا میں ہے اب عرش خدا کا تارا | اس مرے چاند سے روشن ہے زمانہ سارا
اس سے لڑنے کے لئے لشکر شام آئے گا
وہی پیارا ہے مجھے اس کے جو کام آئے گا

ہاں بلاؤ اسے عباس دلاور ہے کدھر | وہ فدا ہے مرے پیارے پہ میں صدقے اس پر
شکم غیر سے ہے کوئی وہ میرا ہے پسر | یہ صدا سنتے ہی برادر کو پکارے سرور
اپنے رہوار کو آگے نہ بڑھاؤ بھائی
یاد فرماتی ہیں اماں ادھر آؤ بھائی

آکے عباسؑ نے سر رکھ دیا پائین مزار || آئی آواز کہ زہراؑ ترے ہاتھوں کے نثار
اپنے پیارے کے برابر ہی تجھے کرتی ہوں پیار || دھیان بھائی کی حفاظت کا رہے اے دلدار
کوئی غربت میں اُسے مار نہ ڈالے بیٹا
میرا شبیرؑ ہے اب تیرے حوالے بیٹا

رو کے عباسؑ نے کی عرض کہ ہوں میں تو غلام || میرے آقا کے تو مالک ہیں شہ عرش مقام
مجھ سے لونڈی پہ یہ الطاف یہ شفقت یہ کلام || شہ کی خدمت مرا شیوہ ہے غلامی مرا کام
زن و فرزند بھی قربان ہیں گھر صدقے ہے
شاہ کے نقش قدم پر مرا سر صدقے ہے

بولے شبیرؑ کہ یہ اہل وفا ہے اماں || میں فدا اس پہ ہوں تو مجھ پہ فدا ہے اماں
اس کے دم سے مرے جینے کا مزہ ہے اماں || یہ برادر مجھے بیٹوں سے سوا ہے اماں
خلق میں حیدرؑ کرار کا ثانی ہے یہ
پاس شبیرؑ کے بابا کی نشانی ہے یہ

یہ بیاں کرکے چلے واں سے شہ کون و مکاں || بیکسی چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھے رواں
لوگ سر پیٹ کے اُس دم یوں ہوئے گریہ کناں || پیچھے تابوت کے جس طرح سے ہو شور و فغاں
غل تھا اے سید ذیجاہ خدا کو سونپا
اے مدینہ کے شہنشاہ خدا کو سونپا

ذاتِ شبیرؑ کی تھی رحمتِ ربِّ باری | کون اب گھر میں غریبوں کی کرے گا یاری
فیض کس گھر سے مدینہ میں ہے گا جاری | پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا آزاری
شہر سے سایۂ الطافِ خدا جاتا ہے
مشکلیں باقی ہیں اور عقدہ کشا جاتا ہے

غول رانڈوں کے یہ چلاتے تھے کھولے ہوئے سر | اے غریبوں کے مددگار یتیموں کے پدر
آپ کرتے ہیں یہ سفر ہے مہینوں کا سفر | کون ہم رانڈوں کی لیوے گا مصیبت میں خبر
کون بن باپ کے بچوں پہ ترس کھائے گا
کون چھپ چھپ کے طعام اب ہمیں پہنچائے گا

سوز

حق کی شکست فتنۂ باطل مٹا گئی | خیموں کی آگ قصرِ حکومت جلا گئی
ہستی وفا کی مٹ کے زمانے پہ چھا گئی | پیاسوں کی نیند دین کی دنیا جگا گئی
ناکامیوں کے بھیس میں ہر کام ہو گیا
اسلام کربلا میں پھر اسلام ہو گیا

مرثیہ نمبر ۱۴

شہادت حضرت مسلمؑ

کوفہ میں جو پابند بلا ہو گئے مسلم
اور مورد بیداد جفا ہو گئے مسلم
بچّوں سے بھی غربت میں جدا ہو گئے مسلم
ان صدموں سے مشتاق قضا ہو گئے مسلم
ہر روز مسافر کے لئے دربدری ہے
ہر شام کو عمر ان کی چراغ سحری ہے

وارد ہوئے ناگاہ در طوعہ پہ ششدر
تسبیح بکف ذکر خدا میں وہ در پر
حضرت نے کہا خشک نے باں اپنی دکھا کر
نذر پسر فاطمہؑ اک پانی کا ساغر
احسان کر اللہ و پیمبر کا تصدّق
پانی دے مجھے ساقئ کوثر کا تصدّق

طوعہ گئی اور جام لبالب دیا لا کر
حضرت نے پیا بیٹھ کے دروازے کے اوپر
پھر کوزہ کو وہ رکھ کے جو یاں آئی مکرّر
دیکھا کہ ہیں بیٹھے ہوئے اُلوؤں ہرے سر
طوعہ نے کہا شہر میں کیا گھر نہیں رکھتا
یاں گھر نہیں کہتا کوئی یاور نہیں رکھتا

یہ سنتے ہی طوعہ سے یہ کہنے لگے رو کر
گھر ہوتا تو ہم کاہے کو یوں بیٹھتے در پر
یہاں میرے لئے فکر کسے ہو گئی خواہر
زینب ہے نہ بانو ہے نہ زوجہ ہے نہ دختر
شبیر جدا مجھ سے ہیں عباسؑ جدا ہیں
اک ہم تن تنہا یہاں محبوس بلا ہیں

حیرت ہوئی طوعہ کو یہ بولی وہ حق آگاہ
شبیر ترا کون ہے اے بندۂ اللہ
رو کر کہا سرکار میں آقا ہیں شہنشاہ
وہ بولی کہ کیا آیا تھا مسلمؑ کے تو ہمراہ
شرما کے کہا وہ وطن آوارہ میں ہی ہوں
مسلمؑ جسے کہتے ہیں وہ بیچارہ میں ہی ہوں

تا کہ پسر طوعہ نے یہ تذکرے سن پائے
کی فکر شقی نے کہیں گھر بار نہ لٹ جائے
کچھ شب تھی کہ حاکم کو خبر اس نے یہ دی ہائے
مسلم مرے گھر میں ہیں کوئی جا کے پکڑ لائے
حاکم نے کہا اب تو کمر باندھ کے جائے
ہاں صبح نہ پیدا ہو کہ مسلم کا سر آئے

لشکر کی ہوئی خانۂ طوعہ پہ چڑھائی
مسلم نے یہاں جا کے نماز اپنی اٹھائی
ہمسائیوں کو طوعہ نے یہ آواز سنائی
مہمان مرا مرنے کو جاتا ہے دہائی
گھر طوعہ کا گھیر گیا مہمان کی خاطر
جو گرد انبوہ ہے اک جان کی خاطر

اے شیعو مسافر کی مدد کرنے کو آؤ اے مومنو حیدرؑ کے بھتیجے کو بچاؤ
قرآن کو دو بیچ میں سوگند بھی کھاؤ یہ کعبہ کو پھر جائے گا لشکر کو ہٹاؤ
یہ حیدرؑ کرار کے بھائی کا خلف ہے
شہر اس کا بھی مکّہ ہے مدینہ ہے نجف ہے

کب سنتے تھے طوعہ کی دُہائی وہ جفا کار مظلوم پہ ہر سمت سے برسنے لگی تلوار
پر دبدبہ یہ تھا کہ نہ پاس آتے تھے کفار آخر کو دغا سے یہ پکارے وہ ستمگار
پھر لڑنا ذرا پہلے جو لو بھائی کی خبر کو
وہ ناقہ سوار آیا ہے یثرب سے ادھر کو

مدت سے سنا تھا جو نہ حال شہ والا یہ سنتے ہی بیساختہ تلوار کو روکا
پر منہ کے پھرتے ہی اجل نے کیا حملہ برچھی تو کلیجے میں تھی برچھی میں کلیجہ
منہ سوئے نجف کر کے کہا اپنے چچا سے
مظلوم بھتیجے کو تیرے مارا دغا سے

القصہ کہ حاکم نے حضور اپنے بلایا وہ کلمۂ سخت ان کو ستمگر نے سنایا
جس نے لحد احمدؐ مرسل کو ہلایا مسلم نے ملا ہاتھوں کو رونا بہت آیا
حاکم نے کہا قبر میں بھی ہاتھ ملے گا
اب خنجر بیداد مرا تجھ پہ چلے گا

عمران کے فرزند سے حاکم ہوا گویا　اب دیر نہ کر بام پہ مسلمؑ کو تو لے جا
لٹکا دے ذرا کوفہ میں سر کاٹ کے اس کا　اور بام سے بالا کے زمیں پھینک دے لاشہ
ہاں باندھ کے پھر لاش کے پاؤں میں رسن کو
تشہیر کرو مسلمؑ آوارہ وطن کو!

جلاد نے تب بازوئے مسلمؑ کو لیا تھام　ساتھ اس کے خوبی سے چلے مسلمؑ ناکام
اس زینے میں معراج شہادت ملی ہر گام　اور بام پہ آکر ہوئے خورشید لب بام
جب بیٹھے تھے مسلمؑ وہاں صمصام کے نیچے
تھی خلق تماشے کو کھڑی بام کے نیچے

اس طرح سے شبیرؑ کو مسلمؑ یہ پکارے　کعبے میں ہو یا راہ میں صدقے ہیں تمہارے
اب کٹتا ہے سر لوگ تماشائی ہیں سارے　دیکھو مرے آقا مری حسرت کے نظارے
اعجاز سے پردے مری آنکھوں سے اٹھاؤ
یا سبطِ نبیؐ آخری دیدار دکھاؤ

کعبہ سے اسی روز روانہ ہوئے شاہ　مسلمؑ تو لب گور تھے شبیرؑ سر راہ
جبرئیلؑ نے کوفہ کی زمیں سے کہا ناگاہ　ہاں حکم خدا ہے تو بلند اتنی ہو واللہ
مسلمؑ شہِ مظلوم کی تصویر کو دیکھے
شبیرؑ اسے دیکھے یہ شبیرؑ کو دیکھے

کوفہ کی زمیں نے رفعت کیا پیدا ۔ پر ساری زمینوں میں ہوا زلزلہ پیدا
چلنے سے رکا راہ میں اسپ شہ والا ۔ اور تھم گئے سب محمل شتر ثانیٔ زہراؑ

ہاتف نے ندا دی پیغمبرؐ کے خلف کو
یا سبط نبیؐ دیکھئے کوفہ کی طرف کو

کوفہ کی طرف شاہ نے چہرے کو پھرایا ۔ بیبیوں نے محملوں سے پردہ اٹھایا
اللہ نے مسلمؑ کا جمال ان کو دکھایا ۔ بیٹھا ہوا تلوار کے نیچے انھیں پایا

یہ سب تھی نظاروں میں صدا ہائے اسی کی
یاں فاطمہؑ روتی ہے یہاں روح علیؑ کی

چہروں پہ طمانچے حرم شہ نے لگائے ۔ ملنے کیلئے ہاتھ رقیہ نے بڑھائے
چلائی کہ لو اماں وہ بابا نظر آئے ۔ سب کہتے تھے بابا نے یہاں شہر بسائے

نے غش میں یہ نے سایۂ دیوار کے نیچے
بابا تو مرے بیٹھے ہیں تلوار کے نیچے

کیا دیکھتے ہو لوگو مرے بابا کو پکارو ۔ لیجا کے رقیہ کو پدر پر کوئی وار دو
زینب کی پھوپھی اشتر سے مجھے جلد اتارو ۔ یا حضرت عباسؑ حمایت کو سدھارو

بھیا علی اکبرؑ یہ بہن تیری بلالے
لونڈی ہوں میں تیری مرے بابا کو بچالے

شبیرؑ پکارے تیرا بابا ہے بہت دور
پر خالقِ مختار کو اب یہ ہوا منظور
قاتل سے وہاں کہنے لگے مسلمؑ رنجور
حسرت میری پوری ہوئی اے ظالمِ مقہور

اب کاٹ لے سر کو یہی مرنے کا مزا ہے
آقا میرا اس وقت مجھے دیکھ رہا ہے

قاتل نے لگائی سرِ مسلمؑ پہ جو شمشیر
سر کٹ کے پکارا میں فدائے سرِ شبیرؑ
کوٹھے سے گرایا جو تنِ مسلمؑ دلگیر
یا حیدرِ کرار کہا اور کہی تکبیر

قطرے تو گرے خون کے دامانِ علیؑ میں
سر گود میں زہراؑ کے تن آغوشِ علیؑ میں

سر سینے کی جا پہ گرا جبکہ وہ لاشہ
موجود تھے حاکم کی طرف سے وہاں اعدا
میں کیا کہوں ایک ایک نے دی لاش کو ایذا
پھر لاش کے پاؤں میں غرض رسی کو باندھا

پہلے اُسے دربارِ ستمگار میں لائے
پھر کھینچتے ہر کوچہ و بازار میں لائے

اس لاش کو کوچوں میں پھراتے تھے وہ بدخواہ
رونے کی فرشتوں کی صدا آتی تھی واللہ
اک بی بی بھی پوشیدہ تھی اُس لاش کے ہمراہ
چلاتی تھی یا ولدی یا ولدی آہ!

جب پوچھتا تھا کوئی کہ یہ کیسی صدا ہے
کہتی تھی زمیں فاطمہؑ مشغولِ بکا ہے

مرثیہ نمبر ۱۵

شہادت حضرت مسلمؑ

انساں کے لئے موت ہے غم بیوطنی کا　　جانکاہ ہے اندوہ والم بیوطنی کا
صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بے وطنی کا　　آفت ہے قیامت ہے ستم بے وطنی کا
کانٹوں کے الم سید سجادؑ سے پوچھو
ایذائے سفر مسلمؑ ناشاد سے پوچھو

کی سخت دغا کوفیوں نے گھر میں بلا کے　　سب پھر گئے جن لوگوں کے دعوے تھے وفا کے
لاکھوں ہیں عدو جائیں کدھر جان بچا کے　　آفت میں گرفتار ہوئے کوفے میں آ کے
یاور نہیں ہمدم نہیں غمخوار نہیں ہے
نرغے میں ہیں اور کوئی مددگار نہیں ہے

ہیں سنگدل ایسے وہ جفا کار وستمگر　　کوٹھوں سے لگا نے لگے مظلوم پہ پتھر
نورانی بدن ہو گیا مجروح سراسر　　اور سامنے سے منہ پہ لگا ظلم کا خنجر
کیوں گر نہ پڑا ہائے فلک پھٹ کے زمیں پر
لعل لب جاں بخش گرے کٹ کے زمیں پر

مُنھ کرکے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
راحت ہے یہ بندے نے جو کچھ ظلم اُٹھایا
غم یہ ہے کہ ہے دور ید اللہ کا جایا!
شبیرؑ کے ہاتھوں سے کفن ہم نے نہ پایا
دُنیا سے سوئے خلد کوئی دم میں سفر ہے
یاں ہم پہ جو کچھ بن گئی کیا اُن کو خبر ہے

یہ کہتے تھے مسلمؑ کہ لعینوں نے قضارا
اک سنگ ستم اُس لب مجروح پہ مارا
ریش اور گریباں میں لہو بھر گیا سارا
جب حال یہ پہنچا تو کہاں جنگ کا یارا
اعدا سے کہا دلمیں ذرا رحم کو جا دو
غش آتا ہے پانی مجھے تھوڑا سا پلا دو

کب سُنتے تھے بیکس کا سخن ظلم کے بانی
تھے قتل کی تدبیر میں وہ دشمن جانی
لے آئی ضعیفہ وہیں اِک جام میں پانی
قسمت نے مگر بجھنے نہ دی تشنہ دہانی
سوکھی ہوئی تھی کل سی زباں خشک گلو تھا
اُس پانی کو مُنھ سے جو لگایا تو لہو تھا

پھینکا اُسے جب خاک پہ بادیدۂ گریاں
اِک جام ضعیفہ نے دیا پھر انھیں اُس آں
پینے بھی نہ پایا تھا کوئی گھونٹ وہ ذیشاں
پانی میں جُدا ہو کے گرے گوہر دنداں
فرمایا کہ ثابت ہوا پیاسے ہی مرینگے
اب ساقیٔ کوثر ہمیں سیراب کرینگے

دشمن تو کئی سو تھے یہ بے یار و مددگار — برچھی کبھی پڑتی تھی کبھی پڑتی تھی تلوار
اندوہ پہ اندوہ تھے آزار پہ آزار — کس یاس سے اک ایک کا منہ تکتے تھے سردار

بازو کو ستمگار جو باندھے تھے رسن سے
فوارہ خوں چھٹتا تھا ہر زخم بدن سے

القصہ لب بام جو لایا انہیں سفاک — تر ہو گیا آنسوؤں سے مسلمؑ کا رخ پاک
فریاد سوئے کعبہ کی بادل غم ناک — روحی لفداک اے پسر سید لولاک

کرتا ہے سفر خلق سے غمخوار تمہارا
موقوف ہے اب حشر پہ دیدار تمہارا

فرما کے یہ گردن طرف قبلہ جھکائی — شمشیر جفا کار نے جھک کے اٹھائی
آواز یہ مخدومۂ کونین کی آئی! — مرتا ہے مرا لال مرے بچہ کا دہائی

اس ظلم سے باز آ جو خدا کا تجھے ڈر ہے
ظالم سر مسلمؑ پہ مرا ہاتھ سپر ہے

میرے لئے محشر کے دن سے یہ نہیں کم — تربت سے میں نکلی ہوں لئے لاشۂ محسنؑ
مظلوم کو تو قتل تو کرتا ہے ولیکن — بن باپ کے ہوجائیں گے بچے کئی کمسن

خوں سر پہ نہ لے چھوڑ دے آوارہ وطن کو
کر رانڈ نہ عباسؑ دلاور کی بہن کو!!!

زہرا نے کئی بار تڑپ کر یہ پکارا — کیا دل تھا کہ مطلق نہ ڈرا وہ ستم آرا
ظالم نے کئی ضرب میں سر تن سے اتارا — پھٹتا ہے جگر اب نہیں گویائی کا یارا

لکھا ہے چلا سے کے جو قابل سر مسلمؑ
کوٹھے کے تلے پھینک دیا پیکر مسلمؑ

سب زخم بدن پھٹ گئے مقتول جفا کے — اک چوٹ لگی دل پہ رسولؐ دوسرا کے
آغوش میں حیدرؑ نے لیا لاش کو آکے — یہ بین کئے فاطمہؑ نے اشک بہا کے

اے بے وطن اے صابر و شاکر ترے صدقے
ہے ہے مرے مظلوم مسافر ترے صدقے

مسلمؑ تری [illegible] ہوئی زہراؑ — مسلمؑ ترے اس زخم پہ قربان ہوئی زہراؑ
مسلمؑ ترے مرجانے سے نالاں ہوئی زہراؑ — ماتم میں ترے چاک گریباں ہوئی زہراؑ

غم میں [illegible]
تو بے کفن و گور ہے [illegible]

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

[illegible]
[illegible]

مرثیہ نمبر ۱۶

شہادت پسران حضرت مسلمؑ

پردیس میں مسلمؑ کے یتیموں پہ جفا ہے — دریا پہ لئے قتل عدو لیکے چلا ہے
چھوٹا تو بڑے بھائی کا منہ دیکھ رہا ہے — زور اس کو مدد کا نہیں مشغول بکا ہے
بیرحم کے قابو میں ہیں دو نازوں کے پالے
ہر سو نگراں ہیں کہ کوئی آکے بچالے

چھوٹے کو بڑا بھائی ہے بڑھ بڑھ کے بچاتا — ہر بار ہے مقصد کسی طرح بیچ میں آتا
رو دیتا ہے کچھ کہنے کا موقع نہیں پاتا — بے ساختہ اک بات زباں پر ہے یہ لاتا
سن حال غریبوں کا خدا کے لئے دم لے
اب ہم ترے گھر میں کبھی آئیں تو قسم لے

کچھ گھر میں ترے چین نہیں پایا ہے ایسا — توڑا ہے فقط پانی سے فاقہ کئی دن کا
خود آئے نہیں کی تری زوجہ نے تمنا — حجرے میں نمازیں ہیں پڑھیں اور کیا کیا
ہم بچے ہیں تو اپنی بزرگی پہ عمل کر
تقصیر جو کچھ ہم سے ہوئی ہو وہ بحل کر

یہ جرم ہے بن باپ کے جو آئے ہیں ترے گھر　　تجھ سے ملیں ہے شب کو بھی بیدار برابر
کرتے تھے پڑے گیسو کھینچے تیلی لگی ہم پر　　تکلیف بہت دے چکا اب چھوڑ ستمگر
جنگل میں کہیں بیٹھ کے ہم رو لیں گے ظالم
منہ کر کے ترے گھر کو نہ اب آئیں گے ظالم

سنتا نہ تھا مظلوموں کی اک بات ستمگر　　دیتے تھے صدا زوجۂ حارث کو یہ بڑھ کر
یہ جانتے تو ہم کبھی آتے نہ ترے گھر　　مہمانوں کو اپنے تو بچاتی نہیں مادر
چھڑوا دے کہ پکڑے ہوئے زلفوں کو عدو ہے
اماں نہیں بابا نہیں جو کچھ ہے سو تو ہے

بالوں کو بکھیرے ہوئے وہ مومنہ تھی ساتھ　　مظلوموں کو ظالم سے چھڑاتی تھی وہ خوش ذات
کہتی تھی خدا کے لئے کیا کرتا ہے بدذات　　گہ پاؤں پہ سر رکھتی تھی گہ باندھتی تھی ہاتھ
بس بس کہ زمیں اب تو ہلی جاتی ہے ظالم
زہرا مجھے سر ننگے نظر آتی ہے ظالم

وہ بولا سر ان دونوں کے لے جائیں گے جب ہم　　دیگا دو ہزار ابن زیاد اس گھڑی درہم
وہ بولی اگر طالب دولت ہے تو اے ظالم　　لے فاطمہؑ کے نام پہ میں بکتی ہوں اس دم
اس دولت کم کے لیے پھرتا ہے خدا سے
درہم دو ہزار اور یہ حیدرؑ کے نواسے

ظالم نے تہہِ تیغ کیا زوجہ کو اُس آں — یا فاطمہؑ کہہ کر ہوئی زہراؑ پہ وہ قرباں
دریا پہ عدو لایا انھیں پکڑ کے گریباں — دی تیغ غلامِ حبشی کو وہاں عریاں
غصے سے کہا دونوں کو انگلی سے دکھا کر
ہاں کاٹ لے سر اون کے کنارے پہ تو جا کر

تلوار کو چمکا کے بڑھا وہ حبشی آہ! — یہ تیغ تلے سر کو جھکا کے ہوئے ہمراہ
لکھا ہے کہ تھا وہ حبشی مردِ حق آگاہ — رستے میں خطاب اُس سے کیا دونوں نے ناگاہ
ہمشکل بلالِ شہِ لولاک کا تو ہے
سچ کہہ کہ پیمبرؐ کا محب ہے کہ عدو ہے

وہ بولا نبیؐ پر سے فدا ہوں بدل و جاں — جھک کے کہا دونوں نے اب ہم ہوئے حیراں
عترت کا تو قاتل ہے نبیؐ پر سے ہے قرباں — وہ بولا پیمبرؐ کے عزیزوں میں ہو تم ہاں
تقصیر ہوئی توبہ! یہ پہلے نہ سُنا تھا
حارث کا بُرا ہو مجھے واقف نہ کیا تھا

پھر غصے سے حارث کی طرف پھینک دی تلوار — بے وار لگائے ہی وہ دریا ہوا پار
حارث نے کہا ہو گیا آقا سے تو بیزار — وہ بولا خدا سے تو نہیں پھر گیا زنہار
کیا حکمِ خدا سے بھی ترا حکم سوا ہے
میں تجھ سے پھرا ہوں کہ خدا تجھ سے پھرا ہے

فرزند کو دی حارث ملعون نے تلوار — اور بولا کہ سر کاٹ لے ان دونوں کے یکبار
وہ بولا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوئیگا زنہار — یہ تو بھی ہے بدبخت سیہ رو و جفا کار
حارث تو پدر کس کا؟ شقی ازلی ہے
ماں فاطمہؑ ہے مومنوں کی باپ علیؑ ہے

تو کور ہے ظالم نظر آئے تجھے کیونکر — لے دیکھ نبیؐ روتے ہیں دریا پہ کھلے سر
یہ سنکے اٹھا حارث ملعون و ستمگر — ظالم نے کہا مجھکو نہیں خوف پیمبرؐ
اک تیغ تلے دونوں برادر کو بٹھا کر
سر کاٹا بڑے بھائی کا چھوٹے کو دکھا کر

سر پاس رکھا لاش کو دریا میں بہایا — بھائی کے گلے کا جو لہو خاک پہ پایا
اُلفت سے برادر کا لہو جوش میں آیا — تب جوڑ کے ہاتھ اپنے یہ قاتل کو سنایا
پونچھوں یہ لہو کرتے سے تلوار جھکا دے
لوٹوں بڑے بھائی کے لہو میں جو رضا دے

وہ بولا کہ ہو شوق سے غلطاں تجھے کیا ڈر — بھائی کے لہو میں تم لگا لوٹنے گر کر
کہتا تھا بڑے بھائی کہاں ڈھونڈھے برادر — تم تو ابھی بیٹھے ہوئے تھے میرے برابر
کس نے ہی نصیب ایسے اُلٹتے ہوئے دیکھا
بھائی نے گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا

ناگاہ غضب و طیش سے حارث یہ پکارا   بس لوٹ چکے اٹھو کہ سر کاٹوں تمہارا
اُٹھ بیٹھا کہا جلد گلا کاٹ ہمارا   سر کاٹ کے دریا میں مجھو تن ڈالا قضارا

مرتے نے کہا رو رہے ہوئے دل کے اَلٹ دے
اے بحر مجھے بھائی کے لاشے سے ملا دے

وہ لاشہ بھی تھا منتظر لاشِ برادر   نے غرق ہوا تھا نہ بہا تھا تن بے سر
اللہ کی قدرت سے وہ تھا پانی کے اوپر   اور ہائے اخی کہتا تھا ہر بار تڑپ کر

بہہ کر جو کنارے سے یہ خوں میں کفن آیا
پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو اُس کا بدن آیا

سینہ پہ رکھا سینہ جگر رکھا جگر پر   دو ہاتھ مدینے کی طرف اٹھے برابر
حق سے یہ دعا کی کہ بچے اکبرؑ و اصغرؑ   شبیرؑ کی اب خیر ہو ہم تو ہوئے بے سر

مادر کو بھلا دیجیو اب یاد ہماری
لے لیجیو جلاد سے تو داد ہماری

مرثیہ نمبر ۱۴

شہادت پسرانِ حضرت مسلمؑ

دربار میں جب کٹ کے یتیموں کے سر آگئے — ڈوبے ہوئے دو چاند لہو میں نظر آگئے
غل پڑ گیا مسلمؑ کے یہ لختِ جگر آگئے — غربت زدہ و بے وطن و بے پدر آگئے
شمشیرِ ستم چل گئی ان نوحہ گروں پر
کیا بیکسی و یاس برستی ہے سروں پر

حاکم سے یہ تب کہنے لگا حارثِ بدکام — سر بچوں کے لایا ہوں ملے خلعت و انعام
پہچان لے مسلمؑ کے پسر ہیں یہی گلفام — یہ وہ ہیں جو زنداں سے بھاگے تھے سرِ شام
میں ڈھونڈھتا پھرتا تھا نہ ہاتھ آتے تھے دونوں
پلٹے تھے جدھر راہ نکل جاتے تھے دونوں

حاکم نے کہا تو نے کہاں پھر انھیں پایا — تاریکیٔ شب میں نظر آتا نہیں سایا
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لایا — زوجہ نے مری تھا انھیں حجرے میں چھپایا
میں کہتا تھا دل میں کہ کہاں جا کے چھپے ہیں
اس کی نہ خبر تھی مرے گھر آ کے چھپے ہیں

از بسکہ تھکا تھا مجھے نیند آگئی اس دم   کیا دیکھتا ہوں عالمِ رویا میں بصد غم
اک حجرے میں دو طفل نظر آتے ہیں باہم   سر پیٹ کے کہتے ہیں وہ با دیدۂ پرنم

آفت میں پھنسے ہم درِ زنداں سے نکل کے
معلوم ہوا پڑ گئے پھندے میں اجل کے

چلائے جو وہ ہائے پدر کہہ کے دلِ افگار   تھا نیند میں یا آنکھ مری کھل گئی اکبار
خوش ہو گیا میں طالعِ خفتہ ہوئے بیدار   بستر سے اُٹھا ہاتھ میں کھینچے ہوئے تلوار

اک حجرے میں مسلم کے وہ پیارے نظر آئے
بالائے زمیں عرش کے تارے نظر آئے

جکڑا جب انھیں میں نے تو کرتے تھے یہ فریاد   مہماں ترے گھر آئے ہیں ہم بیکس و ناشاد
بن باپ کے ہیں ہم یہ ترس کھا ستم ایجاد   لے منتیں کرتے ہیں تری چھوڑ دے جلاد

کر رحم کہ معصوم ہیں دکھ پائے ہیں ظالم
ہم چھپ کے ترے دامن میں آئے ہیں ظالم

میں نے کہا تم دونوں کے بابا کا ہے کیا نام   رو کر کہا کہتے ہیں انھیں مسلم ناکام!
بے جرم و خطا اُن کے گلے پر چلی صمصام   ہم جب سے چھٹے باپ سے ہم کو نہیں آرام

زحمت سے تری سینہ میں دل جلتے ہیں ظالم
اب ڈھیلی رسن کر کہ گلے چھلتے ہیں ظالم

یہ سنتے ہی معصوموں پہ غصہ مجھے آیا
حجرے سے انہیں کھینچتا دالان میں لایا
ان دونوں نے جو ظلم نہ دیکھا تھا دکھایا
مجرم کی طرح باندھ دیا رحم نہ کھایا
باہر انہیں لے آیا جو زلفوں کو پکڑ کر
استادہ کیا چوب سے رسّی میں جکڑ کر

جب لے کے چلا گھر سے انہیں قتل کی خاطر
زوجہ نے یہ کہہ کر مرے پاؤں پہ رکھا سر
مہمان مرے گھر آئے ہیں یہ دونوں مسافر
لے ان کے عوض کاٹ لے سر میرا جفا گر
تقصیر جو کچھ ان سے ہوئی ہو وہ بحل کر
ہے ہے مجھے مہمانوں کے منہ سے نہ خجل کر

یہ کہہ کے جو بچوں کو چھڑانے لگی اک بار
جھنجھلا کے میں بولا تجھے کیا اس سے سروکار
جا دور ہو کہنا ترا مانوں گا نہ زنہار
میں قتل کروں گا یہ ہیں حاکم کے گنہگار
اب حلق سے معصوموں کے شمشیر ملے گی!
سر ان کے دکھاؤں گا تو جاگیر ملے گی

سمجھا نا وہ ہرگز نہ مرا دھیان میں لائی
جھنجھلا کے اسے تیغ ستم میں نے لگائی
اک وار میں ساعد گری کٹ کے کلائی
چلا کے لگی دینے پیمبر کی دہائی
ہے ہے عرب آقا مری امداد کو پہنچو
اے شاہِ غریباں مری فریاد کو پہنچو

جب مار چکا اس کو تو معصوموں کو کھینچا — پکڑے ہوئے زلفیں انھیں لایا لبِ دریا
رو کر کہا بچوں نے ہمیں قتل نہ کرنا — مارے گا جو ہم کو ترے کیا ہاتھ لگے گا

بیکس ہیں مسافر ہیں اور آوارہ وطن ہیں
یہ کیا ہے سزا ظلم کہ گرفتارِ محن ہیں

کر رحم ستمگار غریبی پہ ہماری — دیوے گا صلہ اس کا تجھے خالق باری
لے آنکھوں نہ دکھلا نہیں اب نیکے زاری — چلکر سرِ بازار ہمیں بیچ لے ناری

بیچ جائیں گے ہم خلعت و زر پائیگا ظالم
گر قتل کیا ہم کو تو پچھتائے گا ظالم

یہ سُنکے بڑھا جونہی وہ کھینچے ہوئے تلوار — پہلو میں برادر کے برادر گرا اک بار
میں چھاتی پہ اس طفل کے آخر ہوا اسوار — جب حلق پہ بچے کے رکھا خنجرِ خونخوار

اک حشر بپا ہو گیا خنجر کے چلے پر
بھائی نے گلا رکھ دیا بھائی کے گلے پر

کچھ نہ سُنا اس نے پھیر دیا خنجر خونخوار — سر کاٹ لیا رہ گئے روتے وہ دلِ افگار
اور دونوں تن بچوں کے پھینکدیئے نہر میں لیجا — دریا کی ترائی سے ہوئے ہاتھ نمودار

سر پیٹتے ہاتھوں سے پیمبر نظر آئے!
آغوش میں مسلم کے وہ دلبر نظر آئے

آمدِ محرّم!

کیا آمدِ ہلالِ محرّم کا شور ہے — ارض و سما میں شیون و ماتم کا شور ہے
فوجِ ملائکہ میں اسی غم کا شور ہے — برپا ہے حشر دیدۂ پُرنم کا شور ہے
سونی ہے قبرِ فاتحِ بدر و حنین کی
آتی ہے ہر طرف سے صدا شور و شین کی

ہر جا بپا ہے ماتمِ سلطانِ بحر و بر — کعبہ سیاہ پوش ہے حجاج نوحہ گر
ہے چاہ میں حسینؑ کے زمزم کی چشم تر — خم بارِ رنج و غم سے ہے محراب کی کمر
ساماں ہے ماتمِ شہِ عالم پناہ کا
اُٹھتا ہے غُل زمیں سے فریاد و آہ کا

ماتم کہیں یہ ماتمِ یحییٰ سے ہے فزوں — جو اہلِ دیں ہیں اُن کا جگر ہو گیا ہے خوں
بارِ الم سے کاہکشاں بھی ہے سرنگوں — پہنا ہے چرخِ پیر نے ملبوسِ نیلگوں!
ہر دل حزیں ہے چشم ہر اک گریہ ناک ہے
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک ہے

غم شش جہت میں خاص آلِ عبا کا ہے — گریاں سر جناب رسولِ خدا کا ہے
تیغِ الم سے چاک جگر مجتبیٰ کا ہے — غم وادی السلام میں وا غربتا کا ہے
وہ چشم کونسی ہے جو اس غم میں نم نہیں
یہ ماہ کربلا میں قیامت سے کم نہیں

رو لو عزائے شہ میں کہ درپیش ہے اجل — معلوم کیا ہے آج کہ جیتے رہیں گے کل
اس عمر بے ثبات پہ تکیہ ہے بے محل — جائے گا کچھ نہ ساتھ لحد میں بجز عمل
یاں مجلسِ عزا میں جو آنسو بہائیں گے
ان آنسوؤں کی قبر میں لذت اٹھائیں گے

نعمت ہے مومنوں کے لئے مجلسِ عزا — نوحہ کہیں ہے اور کہیں ہوتا ہے مرثیا
سن سن کے حالِ قتلِ شہِ مشرقین کا — ہوتا ہے شور وا حسنا و حسین کا!
دل ٹکڑے ہوتے ہیں شہِ بیکس کے نام سے
روتے ہیں سب لپٹ کے ضریحِ امام سے

اس بزم میں شریک رسولِ خدا بھی ہیں — ساتھ اُن کے اولیا بھی ہیں اور انبیا بھی ہیں
نالاں اسی کے حال پہ مشکل کشا بھی ہیں — تھامے ہوئے جگر حسن مجتبیٰ بھی ہیں
سن سن کے مرثیہ کو یہ رقت جو ہوتی ہے
تم سب کے ساتھ روحِ آئمہ بھی روتی ہے

یہ دن وہ ہیں کہ کانپتا ہے عرشِ ذوالمنن
ماتم سرا ہے فاطمہؑ کو خلد کا چمن
سوتے ہوئے گھروں سے نکلتے ہیں مرد و زن
آوارہ دشت و کوہ میں ہیں سرورِ زمن
سیّد پہ یوں وطن پہ عجب ظلم و جور ہے
ابنِ معاویہ کا تہِ چرخ دور ہے

یثرب میں خاک اڑتی ہے بطحا اداس ہے
محبوبِ ذوالجلال کا روضہ اداس ہے
شبیرؑ ہیں سفر میں مدینہ اداس ہے
گھر سائیں سائیں کرتا ہے صغرا اداس ہے
اُمت پہ شاہ جاتے ہیں قربان ہونے کو
شیرِ الٰہ نکلے ہیں تربت سے رونے کو

وہ دھوپ ہے کہ جس میں ہرن ڈھونڈتے ہیں پناہ
تپتی ہے یوں زمین کہ اللہ کی پناہ
کھیتوں میں خاک اڑتی ہے اور خشک ہے گیاہ
بے سایہ ایسی دھوپ میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
صحرا ہے پُر خطر ہے نہ دریا نہ بستی ہے
گرمی ہے یا کہ آگ فلک سے برستی ہے

گرمی کی وہ فصل اور مہینوں کا وہ سفر
بچوں کا ساتھ رنجِ وطن دھوپ کا ضرر
ڈر قتل کا کہیں کہیں لٹنے کا ہے خطر
سب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے سحر
اک اک قدم پہ لاکھ طرح کے ہراس ہیں
بھائی سے بہادرانِ عرب کے اداس ہیں

سہتے ہوئے سفر کی اسیطرح سختیاں جاتے تھے کربلا کو شہنشاہ انس و جاں
جو چرخ پر ہلال محرم ہوا عیاں حسرت سے دیکھنے لگے شہ سوئے آسماں
معلوم سرِّ حق تھے جو زہرا کے لال کو
روئے امام پڑھ کے دعائے ہلال کو

عمامہ رکھ کے ہاتھوں پہ کرنے لگے دعا فرمایا اے رحیم ترے نام کے فدا
امیدوار لطف و عنایت رہا سدا اب آرزو ہے تیغ سے کٹ جائے یہ گلا
پھر گھر میں اس سفر سے نہ جانا نصیب ہو
مولا تری جناب میں آنا نصیب ہو

مجرے کو آئے شہ کے رفیقانِ ماہرو دیکھا نگاہِ مہر سے حضرت نے چار سو
اکبر پہ جب پڑی نظر شاہ نیک خو برچھی جگر پہ چل گئی دل ہو گیا لہو
موتی سے اشک چاند سے چہرے پہ ڈھل پڑے
زہرا کے آفتاب کے آنسو نکل پڑے

رونے پہ شہ کے رونے لگے کل خویش و اقربا اتنے میں آ کے شاہ سے فضہ نے یہ کہا
ہے منتظر حضور کی واں بنت مرتضیٰ یہ سنکے آیا خیمہ میں زہرا کا مہ لقا
قدموں سے بنت شاہ مدینہ لپٹ گئی
تسلیم کر کے شہ سے سکینہ لپٹ گئی

زینبؑ بلائیں لے کے ہوئی بھائی پر فدا دی تہنیت ہلال کی اور ہنس کے یہ کہا
قایم رہے جہان میں اقبال آپ کا عزت بڑھائے دل کی بھی بر لائے کبریا
خالق کرے کہ ایسا مبارک یہ ماہ ہو
جو اس مہینے میں مرے اکبرؑ کا بیاہ ہو

اک آہ سرد شہ نے بھری سن کے یہ سخن گھبرا کے بولی تب وہ اسیر غم و محن
کیوں بھائی خیریت تو ہے قربان ہو بہن یہ ماہ کس طرح کا ہے یا سرورِ زمن
جو آپ میری بات پہ مغموم ہوتے ہیں
دیکھا ہے جب سے چاند اُسی دم سے روتے ہیں

بولے بہن سے رو کے یہ سلطان کربلا آنکھوں کے آگے پھرتا ہے سامان کربلا
ہم ہوں گے اس مہینے میں مہمان کربلا سادات سے بسے گا بیابان کربلا
جنگل چمن بنے گا مرے گلعذاروں سے
مہکے گی ارض ماریہ زہرا کے تاروں سے

روئیں گے انبیائے سلف اس مہینے میں بیٹھیں گے سر کو شاہِ نجف اس مہینے میں
دل چاک ہوں گے مثل صدف اس مہینے میں بچوں کی جانیں ہوں گی تلف اس مہینے میں
گھر بے چراغ ہوگا جناب بتولؑ کا
ڈوبے گا بحر خوں میں سفینہ رسولؑ کا

مرثیہ نمبر ۱۹

آمدِ ماہ محرّم

لو اہلِ عزا پھر الم و غم کے دن آئے شبیرؑ کہ مظلوم کے ماتم کے دن آئے
پھر آئی قیامت کہ محرم کے دن آئے پھر فصلِ عزائے شہِ عالم کے دن آئے
پھر غم سے بھڑکنے لگی آتش جگروں میں
پھر تعزیئے رکھے گئے شیعوں کے گھروں میں

لاکھوں سے بہتر کے لڑائی کے یہ دن ہیں سادات پہ آفت کے تباہی کے یہ دن ہیں
زینبؑ سے برادر کی جدائی کے یہ دن ہیں زہراؑ کے بھرے گھر کے صفائی کے یہ دن ہیں
بیوارثوں سے وارثوں کا ساتھ چھٹتا ہے
زہراؑ کا بھرا گھر انھیں روزوں میں لٹتا ہے

اس طرح سے اک راوئ صادق نے لکھا ہے داخل ہوئے جب کربلا میں شہِ والا
اسلام ہوئے شبیرؑ رفیقوں سے یہ گویا اس جا پہ کرو خیمۂ سادات کو برپا
ہر حلق سے یاں خون کا فوارہ چھٹے گا
یہ وہ ہے زمیں جس میں مرا باغ لٹے گا

اُترے فرسِ خاص سے سفر ملکے یہ سرور   اِستادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبرؐ !
صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبرؑ   دریا پہ ٹہلنے لگے عباسؑ دلاور
شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمہیں بھائی

داخل ہوئے جب خیموں میں ناموسِ پیمبرؐ   کرسی پہ ہوئے جلوہ فگن ہمرہِ شہ صفدر
فرمانے لگے شاہ رفیقوں سے یہ رو کر   اے بھائیو اب کہتا ہے یہ دلبرِ حیدرؑ
برکدیں میں ظلم ستم ایجاد کرینگے
اب حشر تلک ہم اسی صحرا میں رہیں گے

پھر رو کے یہ فرمانے لگے بادلِ مضطر   لٹ جائے گا یاں فاطمہؑ زہرا کا بھرا گھر
ترسے گی یہاں پانی کو اولادِ پیمبرؐ   پیاسوں کے گلے کاٹیں گے میدان میں ستمگر
گھر لوٹیں گے ستمگار جو روئے گی سکینہؑ
اس دشت میں بن باپ کی ہو گی سکینہؑ

لاشے بھی غریبوں کے یہاں ہوں گے پامال   تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئیگا غربال
اور خون سے سادات کے ہو گی یہ زمیں لال   نکلے گی کوئی کہتی ہوئی ہائے مرا لال
عاشور کو سر برہنہ سیدانیاں ہوں گی
پیاسوں کی اسی نہر پہ قربانیاں ہونگی

آفت کے مصیبت کے قیامت کے یہ ہیں دن　　ان روزوں میں خوشی ہو یہ کسی کو نہیں ممکن
رکھیں گے ہم تعزیہ ہر شہر میں جا کر!　　اکبر کو جواں دیکھیں گے معصوم کو کمسن
بھولیں نہ ہمیں ایسے نہیں غمخوار ہمارے
ہوئیں گے سیاہ پوش عزادار ہمارے

منظور ہمیں شیعوں کی ہے عقدہ کشائی　　عباس کو روئیں گے جو مر جائے گا بھائی
ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی　　دھیان آئے گا اکبر نے سناں سینہ پہ کھائی
جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے

بھائی سے یہ فرمانے لگے پھر شہ صفدر　　اے میرے اخی اے پسر ساقی کوثر
عباس یہ اولاد سے کہو جا کر　　کرتا ہے طلب تم کو جگر بند پیمبر
بھیجا ہے یہاں مجھ کو وصی ابن وصی نے
تم سب کو بلایا ہے حسین ابن علی نے

یہ سنکے روانہ ہوئے عباس علمدار　　اس بستی کے لوگوں کو بلا لائے پھر اک بار
ہمراہ تھیں عورتیں بھی با دیدۂ خونبار　　اور ساتھ تھے ماں باپ کے اطفال دل افگار
غم میں شہ مظلوم کے جاں کھوتے تھے بچے
سر پیٹتے تھے ہاتھوں سے اور روتے تھے بچے

نزدِ دشتِ مظلوم جو وہ قافلہ آیا — سب عورتوں کو شہ نے پسِ پُشت بٹھایا
اور دوسری طرف شاہ نے بچّوں کو بُلایا — پھر سامنے مردوں کو بُلا کر یہ سُنایا
تقریر سُنو دل سے یہ فرزندِ علیؑ کی
کچھ تم سے وصیّت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

کہتا ہے یہ تم سے خلفِ ساقیِ کوثر — جس روز کہ پھر جائے مرے حلق پہ خنجر
اس روز خبر لیجیو تم سب مری آکر — اور کھودنا تُربت مری از بہرِ پیمبرؐ
مظلوم سے سیّد سے نہ مُنھ موڑیو یارو
بے گور مری لاش نہ تم چھوڑیو یارو

ایک اور وصیّت یہ تمہیں کرتا ہے شبیر — سُن لیں اسے سب طفل و زن و مرد و جواں پیر
آئیں جو زیارت کو مری زائرِ دلگیر — تکلیف نہ دینا اُسے ہو کیسی ہی تقصیر
محسن ہو جو دلداریٔ مہمان کرو گے
مجھ پر بھی پیمبرؐ پہ بھی احسان کرو گے

رونے لگے وہ سُنتے ہی یہ شاہ سے روداد — کی عرض بجا لائیں گے آنکھوں سے یہ ارشاد
ہم جانتے تھے ہوگی زمیں آپ سے آباد — افسوس کہ گھر فاطمہؑ کا ہوئے گا برباد
یہ امر ہمارے لئے کیونکر نہ زبوں ہو
افسوس کہ اس بستی میں سادات کا خوں ہو

رونے لگا یہ سُن کے اسد اللہ کا جایا　عورات کو پھر سامنے حضرت نے بلایا
جب سامنے وہ آئیں تو رو کر یہ سُنایا　اے بی بیو! کہتا ہے یہ اب غم کا ستایا

بیکس ہوں مسافر ہوں میں اِبنِ نبی ہوں
زہراؑ کا جگر بند ہوں فرزندِ علیؑ ہوں

مردوں کو تمہارے جو نہ منظورِ نظر ہو　یعنی کہ انھیں حاکمِ بے رحم کا ڈر ہو
جس وقت تمہیں میری شہادت کی خبر ہو　لازم ہے کہ اس آن ہر اک خاک بسر ہو

تم فاطمہؑ کی رُوح کو مغموم نہ رکھنا
ہم کو کفن و گور سے محروم نہ رکھنا

مظلوم کی بیکس کی وصیّت نہ بھُلانا　سب مِل کے مرے گورِ غریباں کو بسانا
اے بی بیو! خود ہاتھوں سے لاشوں کو اُٹھانا　مظلوم سمجھ کر مجھے تُربت میں لٹانا

عُریاں نہ رہیں گی وطن آواروں کی لاشیں
چھپ جائیں گی مٹی میں دل افگاروں کی لاشیں

عورات کو جس وقت یہ حضرت نے سُنایا　بیتاب ہوئیں رونے کا اک شور مچایا
چلّاتی تھیں سر پیٹ کے کہ فریاد خدایا　مرقد میں لعینوں نے محمدؐ کو ستایا

دیکھی گئی حالت نہ شہِ عرش نشین کی
لیں دُور کھڑے ہو کے بلائیں شہِ دیں کی

کہتی تھیں کہ یارب والا کو بچانا شبیرؑ کے لاشے پہ زینبؑ کو رولانا
ناموسِ شہنشاہ کو بیوہ نہ بنانا شہزادیٔ ایراں کو کھلے سر نہ پھرانا

ہوں شادیاں شاہنشہ خوش ذات کے گھر میں
بچھیں صفیں ماتم کی نہ سادات کے گھر میں

بچوں سے یہ کہنے لگے سیدِ ابرار اے بچو سنو تو ہے یہ درد کی گفتار
کہتا ہے یہ تم سے لبِ حیدرِؑ کرّار! بے جرم و خطا قتل کریں گے ہمیں کفار

سر تن سے اُتاریں گے جگر بندِ نبیؐ کا
گھر لوٹیں گے جنگل میں حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ڈر جائیں جو بے دیوں سے ماں باپ تمہارے اور گھر میں ہی پوشیدہ رہیں خوف کے مارے
بے خوف چلے آئیو لاشے پہ ہمارے بچو ہمیں پہنچائیو تم گور کنارے

تم حاکمِ بے رحم کا کچھ پاس نہ کرنا
اور دفن میں سادات کے وسواس نہ کرنا

بچو یہ وصیت نہ مری دل سے بھلانا ایک ایک کفِ دست میں تم خاک اٹھانا
اس خاک کو لاشوں پہ غریبوں کی گرانا مٹی میں شہیدوں کے تنِ زار چھپانا

کام آئیو جان اسد اللہ سمجھ کر
تم دیجیو مٹی ہمیں للہ سمجھ کر!

مرثیہ نمبر ۲۰

قافلۂ امام حسینؑ کی کربلا میں آمد

طے کر چکے حسینؑ جو راہ ثواب کو
مقتل نظر پڑا شہ گردوں رکاب کو
اُلفت جو وہاں کی خاک سے تھی اُس جناب کو
اک عید ہو گئی خلف بوتراب کو!
دل مثل غنچہ وہاں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاض خلد میں جانے کا مل گیا

کی سرو بوستان حسنؑ نے یہ گفتگو
آتی ہے اس زمیں کے گلوں سے دلہن کی بو
اکبرؑ یہ بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہ نیک خو
ہاں کونسی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اُس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل
پانی بھی خوشگوار ہوا بھی ہے معتدل
مولا قدم بڑھانے میں کچھ یاں اب ہے گل
بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہاتھ منہ کو سر نہار دھوئیں گے
جا کے بہت میں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

فرمایا شہ نے بیر جو اللہ کی رضا | موقع ہو جس جگہ وہیں خیمہ کر دیا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا | رہتے ہیں دشت پیما میں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے بھر غرض ہے نہ دریا کا کام ہے

زینبؑ نے جب سرورِ دیں سے سنے کلام | محمل سے بول اٹھا ری کلیجہ کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روکی لگام | بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کونسا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہے

پوچھو کسی سے مسلم مظلوم کی خبر | تربت ہے غریب مسافر کی ہے کدھر
بچوں کے اس کے کیا یہیں کاٹے گئے ہیں سر | لاشے بہادئیے اسی دریا میں کھینچ کر
رنج و غم و الم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے بیٹنے کی صدا مجھ کو آئی ہے

یوں نہر کی ترائی ہے کوئی لوٹ کر | ہر تلے ہے جس طرح سے کوئی نوجواں پسر
صدا آتی ہے صدا کہ فدا تجھ پہ ہو پدر | یاں سوگ کا تو ہے لیے عباسؑ نامور!
دیکھو اس کا مقام ہے جا کہ قلق کی ہے
پہچانتی ہوں میں یہ صدا شیر حق کی ہے

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن | اُترو یہیں کہ خوف کی جاگہ نہیں ہے سن!
یہ نہرِ علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن! | آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہاں لگا تھا جنابِ امیرؑ کا

یہ سُن کے بنتِ فاطمہؑ نے کی جگر سے آہ | بولیں یہ کربلا ہے تو لو ہم ہوئے تباہ
ہے ہے حسینؑ کو نہ ملے گی کہیں پناہ | ڈوبے گا بحرِ خوں میں دو عالم کا بادشاہ
سر پر اُڑاؤ بی بیو اس سرزمیں کی خاک
شیشے میں رکھ گئے ہیں محمدؐ یہیں کی خاک

اُترے فرس سے حضرتِ عباسؑ نیکنام | بٹھلائے اونٹ خیمے کے تب کھینچ کر زمام
فرزند چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام | تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آ پہنچی فوجِ شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی

گھوڑے بڑھا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا | بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ہٹ جاؤ ابنِ سعد کے خیمے کی ہے یہ جا | ڈھونڈو کنویں کہیں تمھیں دریا سے کام کیا
گرمی میں بند ہوئے گا پانی امام پر
ہوگا نہ کل ہوا کا گزر اس مقام پر

برہم ہوئے سنتے ہی عباسؑ خوشخصال | غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال | اب یاں سے ہم کو کوئی ہٹا دے یہ کیا مجال
حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو

گو فوج کم امام دلاور کے ساتھ ہے | روح رسول نائب حیدرؑ کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے | لاکھوں تو لے سکیں نہیں سر کے ساتھ ہے
غصے کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

یاں سے کہیں رسولؐ کا پیارا نہ جائے گا | ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
لاشہ بھی اٹھ کے یاں سے ہمارا نہ جائے گا | مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا
رکھتے ہیں اس زمیں کے لئے سر کو ہاتھ پر
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر

یہ سن کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہل شر | عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر | بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
للہ شیر بیشۂ حیدر کو روکئے
تلواریں کھنچ گئی ہیں برادر کو روکئے

عباسؑ کو یہ بڑھ کے پکارے شہِ امم　　کھینچو نہ تیغ روحِ علیؑ کی تمہیں قسم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانیٔ ستم　　خیمہ کریں گے اور کہیں پیاس سے جل کے ہم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرضِ عین ہو
بےچین ہوں تو ہم ہوں اُمت کو چین ہو

کیوں کانپتے ہو غیظ سے ابرو پہ کیوں ہے بل　　مالک ہو تم تمہارا ہی دریا پہ ہے عمل
ہمت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل　　غصہ کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل
مانو مرا کہا میں تمہارا امام ہوں
غازی نے جھک کے کہا میں غلام ہوں

سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب　　ذرے کو تاب کیا ہے بھلا پیشِ آفتاب
بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب　　ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابنِ بوتراب
ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے
حکمِ حضور حکمِ خدا و رسولؐ ہے!

بندہ ہوں جاں نثار ہوں یا شاہِ بحر و بر　　مولا عدول حکمی کی کیا تاب کیا جگر
دیدیں اگر ان کو آپ سے ہمت باندھ کر　　ہمراہ ہوں غلام کی صورت جھکا کے سر
گر یہ بدی کریں شہِ کائنات سے
سر ان کا کاٹ دوں میں ابھی اپنے ہات سے

فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار
سر میرا تیرے سر پہ تصدق ہزار بار

ہے ابن فاطمہؑ کی کمر تجھ سے استوار
بولا وہ با وفا کہ غلامی ہے افتخار

ہاں یہ ملال ہے کہ سر ان کے کٹے نہیں!
تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

جس وقت یہ سُنے شہ ذیجاہ سے کلام
لے یا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہ تمام

بھائی کو ساتھ لے کے پھرے سید انام
سر کو جھکا کے رہ گئے عباس نیک نام

کہتے تھے راہ میں کہ نہ دار اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

سوز

اے صبا گلشن احمدؐ پہ خزاں کیوں آئی
گلشن تو شاداب تھے خشکی یہ یہاں کیوں آئی

بلبل نغمہ سرا نعرہ کناں کیوں آئی
باد صرصر یہ چمن خاک فشاں کیوں آئی

باغیوں نے جو چمن لوٹ لیا زہراؑ کا
کیا ادھر حق کوئی ثابت نہ ہوا زہراؑ کا

مرثیہ نمبر ۲۱

امام حسینؑ کا کربلا میں ورود

جب نصب پر خیام حسینی بپا ہوئے ذرّے ترائی کے گہرِ بے بہا ہوئے
رونق فروز خیموں میں آلِ عبا ہوئے کرسی پہ جلوہ گر شہِ ارض و سما ہوئے
مصروفِ طواف عرش زمیندار ہو گئے
آ کر نثار سیّد ابرار ہو گئے

بٹھلا کے پہلوؤں میں انہیں یوں کیا بیاں اے کربلا تو میں تمہارا ہوں مہماں
ظالم مجھے ستاتے ہیں جاتا ہوں میں جہاں تجویز یہ زمیں تو ہے چند رہوں یہاں
اب خاک تم عزیز کرو اس غریب کی
سیّد کی بے وطن کی مصیبت نصیب کی

سودا رضا کے ساتھ ہے جور و جفا نہیں بے جُرم درست شرع میں بیع و شرا نہیں
پر اب سوا یہاں کے ٹھکانا مرا نہیں تجویز تو خیر ورنہ مجھے کچھ گلا نہیں
رہنے سے یہاں ہمارے سب آرام پائیں گے
خاکِ شفا تمہاری زمیں کو بنائیں گے

سب نے کہا کہ عذر ہمیں کیا ہے اے امام حاضر غریب جانتے ہیں ہاں کیجیے قیام
پر کربلا کی مدح میں ہے خوف لا کلام ! آزار پاتے آئے ہیں یہاں انبیاء تمام

ابن ابوتراب یہ پیاری زمیں نہیں
بر یہ زمین لائقِ سلطانِ دیں نہیں

پتھر پہ گر کے یہاں سے خلیلِ خدا گرا یا فرق پر صدمۂ سنگ کا آدمؑ اٹھا گیا
کشتی پہ نوحؑ کی یہاں طوفان آ گیا پر سنتے ہیں کہ آپ کا بابا بچا گیا

شہ بولے سرنوشت میں کیا فرق ہوئے گا
اب یہاں جہازِ آلِ نبیؐ غرق ہوئے گا

افضل زمینِ کعبہ سے ہے میری کربلا میں جانتا ہوں اس کا شرف بامرِ خدا
بنئے تو دو مزار حسینؑ غریب کا پھر دیکھنا یہ خاک ہے یا نورِ کبریا

یوسفؑ نہ ہوگا پر یہاں بازار آئے گا
زوّار آئیں گے مراد بر آر ہوئیگا

دیکھو مرے محبوں کو تم چین دیجیو مہمان تین دن مرے زائر کو کیجیو
گر ان سے کچھ قصور ہو بدلا نہ لیجیو پیاسوں کو میرے رو کے تو جب پانی بھیجیو

پانی ابھی تو ملتا ہے نہر کے جانی کو
پر ساتویں سے ترسیں گے سادات پانی کو

دینار دے کے ساٹھ ہزار اُن سے یہ کہا — ہم نے تمھیں یہ بخشی زمیں تم کرو ہبا
شبیرؑ کے معاملے میں سب نے رو دیا — لکھنے لگے قبالہ زمین دارِ کربلا
غُل پڑ گیا حسینؑ وطن کو نہ جائیں گے
لو مول لی زمیں یہیں بستی بسائیں گے

مرقوم ہو رہا تھا قبالہ کہ ناگہاں — خیمے سے اک زن آ کے جو بیبی ہوئی عیاں
سرتاقدم نقاب میں سارا بدن نہاں — پر اس پہ بھی حیا سے تڑپتے تھے استخواں
بیتاب ہو کے اُلفتِ اکبرؑ میں آئی تھی
راوی نے یہ لکھا ہے کہ زہراؑ کی جائی تھی

آہستہ اپنے بھائی سے کچھ کان میں کہا — اور جلدی یوں پھری کہ نہ سایہ نظر پڑا!
کرسی سے یہاں تڑپ کے گرے شاہِ کربلا — عباسؑ نے اُٹھا کے کہا ہائے کیا ہوا
کیا کہہ گئی نواسی جنابِ رسولؐ کی
مولا کہو قسم تمھیں روحِ بتولؑ کی

بولے حسینؑ کہتی تھی مجھ سے وہ خوش کلام — بھیا قبالے میں مرے اکبرؑ کا ہو وے نام
یعنی کہ اس کی ملک میں ہو یہ زمیں تمام — عباسؑ جاؤ کہہ دو کہ ناچار ہے امام
اٹھارہ سال کے یہ زمانے سے جائیں گے
اک قبر کی جگہ علی اکبرؑ بھی پائیں گے

عباسؑ آئے خیمے میں کہنے کو یہ پیام　　زینبؑ نے دیکھتے ہی انھیں یہ کیا کلام
کیوں بھائی بات پوچھی راضی ہوئے امام　　لکھا گیا قبالے میں اکبرؑ کا میرے نام
دولہا بناؤں گی میں دولہن بیاہ کے لاؤں گی
اکبرؑ کے نام کی یہاں بستی بساؤں گی

عباسؑ روئے حسرتِ زینبؑ پہ زار زار　　وہ صابرہ بھی رونے لگی ہو کے بے قرار
اور لیں بلائیں بھائی کی گھبرا کے کتنی بار　　پوچھا میں صدقے جاؤں کہو کیا ہے روبکار
میں جانتی تھی خوشخبری لے کے آئے ہو
تم ہاتھ دل پہ رکھے ہو گردن جھکائے ہو

شاید مرا سخن ہوا بھائی کو ناگوار　　جیتے رہیں حسینؑ کے جتنے ہیں حقدار
عابدؑ کے بھی میں صدقے ہوں اصغرؑ پہ بھی نثار　　اکبرؑ کے پالنے سے زیادہ ہے چاہ و پیار
عابدؑ کے نام پر یہ سند کس کو شاق ہے
فضلِ خدا سے بھائیوں میں اتفاق ہے

عباسؑ بولے اس کا تو ہاں ذکر بھی نہیں　　ہر عرض ہے حضور کی مقبول شاہِ دیں
شہ نے ہبہ کی زائروں کو اپنے یہ زمیں　　پھر کیجیو سفارشِ اکبرؑ نہ تم کہیں
بھائی مرے کریم ہیں شرما کے روئینگے
اکبرؑ اسی زمین کے پیوند ہوئینگے

مرثیہ نمبر ۲۲

نہر سے خیام حسینؑ کا ہٹانا

جس گھڑی نہر پہ خیمے تہ و بالا ہو گئے | اور ستمگار مزاحم لب دریا کے ہوئے
شاہ پیہم پہ جفا کاروں سے فرماتے ہوئے | دشمنِ جاں مرے کس سبب سے مجھ سے بلوے ہوئے

تم پیو پانی محمدؐ کا نواسا مر جائے
تمھیں منصف ہو جو مہماں ہو پیاسا مر جائے

خیمے اس جا سے اکھڑوانے کو حاضر ہو تمہیں | پر نبی زادہ ہوں حق تلف ہو مسافر ہوں تمہیں
تربت احمدؐ و زہراؑ کا نجاور ہوں میں | ظلم جو چاہو کرو صابر و شاکر ہوں میں

دو گے جو رنج مجھے سب ہے گوارا مجھ کو
اب منظور ہے دریا سے کنارا مجھ کو

میں نہ آتا تھا مدینے سے بلایا تم نے | روضۂ احمد مرسلؐ کو چھڑایا تم نے
کوہ و صحرا کبھی یہ دریا بھی دکھایا تم نے | حیف ہے تارک دنیا کو ستایا تم نے

رخ ادھر کو جو کیا میں تو منہ موڑتے ہو
ایک ما عافیت کے وعدے پہ مجھے چھوڑتے ہو

لوگ تھوڑے سے ہیں کچھ فوج مرے ساتھ نہیں | رنج کی میرے تمھارے تو کوئی بات نہیں
کوئی تقصیر و خطا بھی مری اثبات نہیں | جس پہ اصرار ہے ایسے وہ مباحات نہیں

خیمۂ اہل حرم کو جو جلایا تو کیا
ایک سیّد کو مسافر کو ستایا تو کیا

طالب دولت دنیا تو میں زنہار نہ تھا | حشمت و جاہ سے کچھ مجھ کو سروکار نہ تھا
میں کسی کے بھی کبھی درپئے آزار نہ تھا | بن بلائے ادھر آنے کا طلبگار نہ تھا

نامے لکھ لکھ کے جو بھجوائے تھے لایا ہے عمل
دیکھ لو بے سر و سامان چلا آیا ہوں!

تم کو اپنا نہ سمجھتا تو ادھر کیوں آتا! | اپنے ناموس کو ہمراہ بھلا کب لاتا
اب تلک کچھ نہیں بگڑا جو اجازت پاتا! | اہل عصمت کو لئے سوئے وطن پھر جاتا

وعدہ الطاف و مدارات کم ہونے لگے
ابھی آیا ہوں ابھی ظلم و ستم ہونے لگے

رات کا وقت ہے گرمی کے ہیں دن جانے لوں | حال ناموس کا ایذائے سفر سے ہے زبوں
ماؤں کی گود لیے سوتے ہیں بچے محزوں | مہلت اک شب کی جو دو تو میں تمھارا ممنوں

نہر سے پانی ابھی پینے کو نہ منگواؤں گا
تو مرے کل یہاں سے اٹھا کر تمہیں لیجاؤں گا

شاہ سے تب بصد شوخی یہ لعینوں نے کہا | مہلت اک شب کی بھلا دینے میں نقصان کیا تھا
پر ہمیں حکم ہے دریا سے اٹھا دینے کا | جو کہ فرمائیگا حاکم اسے لائیں گے بجا
جلد سامان کرو خیمے کے اٹھوانے کا
آپ کا عذر کوئی پیش نہیں جانے کا

یاں سے اٹھنے میں تامل نہیں بہتر زنہار | جنگ کو فوج کھڑی چاروں طرف سے تیار
والئی کوفہ نے جن جن کے ہیں بھیجے جرار | آن کر خیمہ پہ سب ٹوٹ پڑیں گے اک بار
نہ سمجھنا کہ یہ لشکر نہ لڑے گا تم سے
جب بگڑ جائیگی کچھ بن نہ پڑے گا تم سے

آبدیدہ ہو لعینوں سے یہ بولے شبیر | آچکے اب تو دکھانے ہمیں جو کچھ تقدیر
کھائیں گے شوق سے تیغ و تبر و خنجر و تیر | پر خدا اس کا ہے عالم کہ میں ہوں بے تقصیر
نہر سے گرمی کے موسم میں اٹھاتے ہو مجھے
کیا ملیگا تمہیں ناحق جو ستاتے ہو مجھے

بڑھ کے عباس علی بولے یہ باغیظ و غضب | کس لئے کرتے ہو تم خانۂ ایماں کو خراب
گیسوئے حور ہے اس خیمۂ اقدس کی طناب | صاحب خانہ ہے واللہ شہ عرش جناب
لب دریا پہ اترنے پہ نہ تکرار کرو
خلف ساقی کوثر کو نہ بیزار کرو

ہے یہ دلبندِ علیؑ دوشِ محمدؐ کا مکیں
دیکھ سکتے تھے پیمبرؐ نہ اسے چیں بہ جبیں
ہمسر اِس خرد کونین کا عالم میں نہیں
مالکِ کوثر و تسنیم ہے یہ سرورِ دیں
فخر کی جا ہے جہاں لبِ زہرا پہنچے
نہ کہ جو جانِ نبیؐ ہو اُسے ایذا پہنچے

تم کو اس نائبِ حیدرؑ سے ہدایت ہو گی
جنگ اس سے جو کرو گے تو ضلالت ہو گی!
بیعت اس شاہ کی مُنشائے شفاعت ہو گی
منحرف ہو گے تو واللہ قیامت ہو گی
کثرتِ فوج سے یاں کوئی ہراساں نہیں
قتل کچھ ابنِ یداللہ کا آساں نہیں

تم کو مقدور ہے اتنا کہ اٹھا دو گے ہمیں
نہر سے پانی نہ پینے کو ذرا دو گے ہمیں
رات کی رات بھی رہنے کو نہ جا دو گے ہمیں
کون سا جرم ہے جس کی یہ سزا دو گے ہمیں
بس بھی برہم ہو مزاجِ شہِ والا آ جائے
جوشش قہرِ خدا کا ابھی دریا بہ جائے

شاہؑ عباسؑ کی ان باتوں سے گھبرانے لگے
دل جو بیتاب ہوا بھائی کو سمجھانے لگے
لاکھ تشویش و تردد کے خیال آنے لگے
کس طرف دھیان ہے کیوں غیظ میں تھرانے لگے
بھائی آؤ ادھر اب کچھ نہ کہو اعدا کو
قربِ حق چاہیے بس دُور کرو دریا کو

برچھیاں تانے ہیں مجھ پہ اگر یہ بدذات | زیست سے سیر ہوں پانی کے لئے کس سے رکا ہے حیات
اٹھو چلو یاں سے مبارک ہو انھیں نہر فرات | تم مرے سر کی قسم قبضہ پہ مت رکھیو ہاتھ
جام کوثر ہمیں حیدرؑ سے ہے لینا بھائی
سلسلہ صبر کا ہاتھوں سے نہ دینا بھائی

عرض عباسؑ نے کی آپ یہ کرتے ہیں کیا | بچے مرجائیں گے پھر پانی نہیں ملنے کا
مار کر ان کو ابھی نہر سے دیتا ہوں ہٹا | چھین سکنے کا نہیں پھر کوئی ہم سے دریا
بولے شہ رنج ہمیں تشنہ دہانی میں نہیں
پیاسے رہنے میں جو لذت ہے وہ پانی میں نہیں

ہاں مذکور تھا واں خیمہ میں تھا یہ چرچا | برسر جنگ ہیں عباسؑ علیؑ سے اعدا
بانو کہتی تھی کہ یہ اکبرؑ سے کہ جاؤ بیٹا | پاس عموؑ کے رہو دیکھو تو ہوتا ہے کیا
ہے کمر بندی رفیقانِ شہِ والا میں
بحث کچھ ہوتی ہے عباسؑ میں اعدا میں

کہتی تھی بیٹوں سے اپنے یہ علیؑ کی جائی | کہو بھائی سے بڑی نہر پہ حسرت آئی
تھی اسی واسطے تقدیر ہمیں یاں لائی | اب میں دریا کے کنارے نہ رہوں گی بھائی
گفتگو کیا ہے کھڑی ہاتھوں کو ملتی ہے بہن
گھر میں آؤ کہ نہیں خیمہ سے نکلتی ہے بہن

سُن کے اُس وقت یہ پُر درد بہن کی تقریر | بولے ہمشکلِ پیمبرؐ سے جنابِ شبیرؑ
پھیر لانے کی کرو اپنے چچا کے تدبیر | کہو ماہِ بنی ہاشمؑ سے کہ اے ماہِ منیر
شاق ہے ہم پہ تو اتنی بھی جُدائی بھائی
نہر پر تم نے بڑی دیر لگائی بھائی

خیمے سے سُنتے ہی جلدی علی اکبرؑ پہنچے | اور قاسمؑ بھی برادر کے برابر پہنچے
نہر پر شیر کی صورت وہ دلاور پہنچے | متصل جبکہ پیامِ شہِ مضطر پہنچے
بولے عباسؑ جو سرورؑ سے رضا پائیں گے
پھر ابھی نہر پہ با مشک و علم آئیں گے

سوز

تھا حکم یہ یزید کا پانی بشر پئیں | گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
جو تشنہ لب جہاں میں ہیں وہ بے خطر پئیں | یہاں تک کہ سب چرند و پرند آن کر پئیں
کافر اگر پئیں تو نہ تم منع کیجیو!
پر فاطمہؑ کے لال کو پانی نہ دیجیو!

مرثیہ نمبر ۲۳

شبِ عاشورہ

کربلا میں سجدہ گزاروں کی رات ہے   نیزے پہ ڈوبتے ہوئے تاروں کی رات ہے
عشرت کدوں میں بادہ گساروں کی رات ہے   دنیا رنگ و بو میں نگاروں کی رات ہے
مُہلت ملی ہے شب کی امامِ حجاز کو
خیموں میں جا رہے ہیں نمازی نماز کو

بیٹھے تھے اپنے خیمے میں عباسؑ نامدار   پھیلے ہوئے تھے سامنے آلاتِ کارزار
تھی سان پر چڑھی ہوئی شمشیرِ آبدار   تلوار میں تول تول کے رکھتے تھے بار بار
آنکھیں چمک رہی تھیں سنانوں کی تاب میں
مُنہ دیکھتے تھے فتح کا تیغوں کی آب میں

جو بیبیاں کہ خیمۂ اقدس میں تھیں وہاں   کہتی تھیں اُن سے دُخترِ سردارِ اِنس و جاں!
ہوتی ہے صبح رات کا یہ ختم ہے سماں   کل ہوگا عورتوں کی بھی ہمت کا امتحاں
تشیع اُن پہ امتحاں میں جو سرخرو نہ ہوں
میداں میں جن کے دودھ کی دھاریں لہو نہ ہوں

ناگاہ اندھیری رات میں چمکا خدا کا نور — پردہ اٹھا کے خیمے کا داخل ہوئے حضور
کہنے لگے بہن سے کہ اے خواہرِ غیور — تم سے اک امرِ خاص میں ہے مشورہ ضرور
سنتی تو ہو گی جو کہ دلوں کی پکار ہے
جادہ ادائے فرض کا خنجر کی دھار ہے

یہ راہ راہِ طوق و رسن بھی ہے لاکلام — ممکن یہ ہے کہ تم ہو اسیرِ سپاہِ شام
لیکن اب ابن سعد نے بھیجا ہے یہ پیام — بیعت جو کیجئے تو یہ جھگڑا ہے سب تمام
ٹھکرائیے صلاح نہ اہلِ نیاز کی
حاضر ہے پیشکش کو حکومت حجاز کی

رد کر دوں اس کی بات تو ہے قصہ مختصر — کنبہ تباہ ہو گا اجڑ جائیگا یہ گھر
کٹ جائیں گے کل عصر سے پہلے ہمارے سر — میں جانتا ہوں صلح میں ہے عافیت مگر
احساس فرض کا ہے اشارہ کہ جنگ ہو
ہے مجھ سے میرے خون کا تقاضہ کہ جنگ ہو

زینبؑ مرا ضمیر دوراہے پہ ہے کھڑا — منزل ادھر سکوں کی ادھر راہِ ابتلا
اس کشمکش میں اب ہے تمھاری صلاح کیا — سر کو اٹھا کے دخترِ زہراؑ نے یہ کہا
زینبؑ کے دل کی تھاہ امامِ زماں نہ لیں
میں آپ کی بہن ہوں مرا امتحاں نہ لیں

عورت ہوں مجھکو گود کی دولت عزیز ہے　　بھائی کی جان ماں کی امانت عزیز ہے
لیکن میں کیا کروں کہ صداقت عزیز ہے　　کنبے کی لاج دین کی عزت عزیز ہے
جھکنے دے میری رائے جو حق کے نشان کو
روئیگا فرض عون و محمدؑ کی جان کو

میں خوش ہوں میرے لال جو گردن کٹا کے آئیں　　ذکر اُن کا کیا ہے جنمیں قاسمؑ نہا کے آئیں
رنج ہے جو آپ آئیں تو گھر کو لٹا کے آئیں　　اٹھارہ سال کی مری محنت گنوا کے آئیں
سب ہو پہ حریت کا یہ پرچم اُٹھا رہے
عباسؑ کے لہو سے پھریرہ رنگا رہے

پھر میرا کیا جب آپ کی گردن پہ سر نہیں　　قربان جاؤں مجھکو اسیری کا ڈر نہیں
وہ ملک کیا بہشت ہے، زنداں اگر نہیں　　آزادیٔ ضمیر کا جس میں گذر نہیں
بہتر رسن گلے میں قیودِ عمل سے ہے
زنجیر اہلِ فرض کا فرض ازل سے ہے

آئیگا جب وہ وقت تو ہمت کرونگی میں　　ہو کر اسیر آپ کی نصرت کرونگی میں
حق کی قدم قدم پہ اشاعت کرونگی میں　　اعلانِ عام سرِ شہادت کرونگی میں
ہوگا یہ غل کہ ہے یہ اشاعت اصول کی
سر ننگے پھر رہی ہے نواسی رسولؐ کی

مرثیہ نمبر ۲۳

شبِ عاشورہ

عزیزو آج شہادت کی رات آئی ہے — حسینؑ امام کی رحلت کی رات آئی ہے
یہ رات روزِ قیامت کی رات آئی ہے — حرم سے شاہ کی رخصت کی رات آئی ہے
نہیں ہے یہ شبِ قتلِ حسینؑ سونے کو
بتولؑ آئی ہیں ہر گھر میں آج رونے کو

کل آسمان و زمین لاکلام رو دیں گے — کُل انبیائے ذوی الاحترام رو دیں گے
بزیرِ عرش ملائک تمام رو دیں گے — غرض حسینؑ کا لے لے کے نام رو دیں گے
ہماری آج ہوئی ختم آہ و زاری ہے
تو کل جنابِ رسولِ خداؐ کی باری ہے

حسنؑ کبھی کل سرِ زانو پہ ہاتھ ماریں گے — عمامہ سر سے رسولِ خداؐ اتاریں گے
پکڑ کے نام کو رو رو کے علیؑ پکاریں گے — سوئے کرب و بلا صبح کو سدھاریں گے
ہر ایک نبیؑ کو زبس غم حسینؑ کا ہوگا
سحر کو قبر پہ ماتم حسینؑ کا ہوگا!

گلے میں فاطمہ زہرا کے ہے سیہ پوشاک — جنابِ حضرتِ زینب کا ہے گریباں چاک
لگی ہے بانو کے چہرے پہ کربلا کی خاک — خطاب کرتی ہیں کلثوم با دلِ غمناک

ہمارے بھائی کو از بس یہ لوگ روتے ہیں
قسم خدا کی ہم احسان مند ہوتے ہیں

نہیں ہے کیا تمہیں معلوم صبح کیا ہوگا — شہید احمدِ مرسل کا لاڈلا ہوگا
تمام اہلِ حرم کا بھی سر کھلا ہوگا — حسین خاک پہ کل بے کفن پڑا ہوگا

سحر کو حالتِ زینب سقیم ہووے گی
سکینہ چار برس کی یتیم ہووے گی

برہنہ پا ہو اسی شب نالہ و فریاد — کہ صبح جائیں گے کانٹوں پہ ننگے پا سجاد
سر اپنا کھول کے پیٹو یہ بات کر کے یاد — کہ سر برہنہ سحر ہوگی زینب ناشاد

خوشا وہ لوگ کہ جاگیں گے اور روئیں گے
کہ پھر تو حشر تلک زیرِ خاک سوئیں گے

بدن پہ شاہ کے جو زخم تھے لگے کاری — کہ آج ہوئیں گے تازہ وہ زخم یکباری
لہو کفن سے شہیدوں کے ہووے گا جاری — ہمیں بھی آج مقرر ہے گریہ و زاری

کہ جتنے بھی گہر اشکِ چشمِ پرنم ہیں
جراحتِ تنِ شبیر کے یہ مرہم ہیں

یہ شب وہ ہے کہ ہر اک دل پہ آمدِ غم ہے
غمِ حسینؑ میں خونبار چشمِ پُرنم ہے
الم ہے رنج ہے سینہ زنی ہے ماتم ہے
سحر وداعِ شبِ عشرۂ محرم ہے
جو حق پرست ہیں ان کو یہ غم پرستی ہے
ابھی سے تعزیوں پہ کیسی برستی ہے

یہ شب وہ ہے کہ شہِ دیں پہ غم کا طوفاں ہے
عطش کے صدمے سے غش میں ہر ایک انساں ہے
حسینؑ ابنِ علیؑ ایک شب کا مہماں ہے
سحر کو لاکھ عدو ہوں گے اور اک جاں ہے
دریدہ کر کے گریباں ہم جو رو دیں گے
سحر کو چاک گریباں رسولؐ ہو دیں گے

کیا ہے راوی نے اس شب کا حال یوں مرقوم
یہ شب جو آئی گئے خیمہ میں شہِ مظلومؑ
بلا لیا اپنے رفیقوں کو بادلِ مغموم
اور ان سے کہنے لگا یوں وہ خاصۂ قیوم
وفورِ شوقِ ملاقات کبریا ہے مجھے
میں جس کا بندہ ہوں اس نے طلب کیا ہے مجھے

حرم سرا میں گئے کہہ کے یہ امامِ زمنؑ
کیا یہ زینبؑ بیکس سے شاہِ دیں نے سخن
کٹے گی صبح یہاں تیغ سے مری گردن
جو تم کو کہنا ہو اس وقت مجھ سے کہہ لو بہن
تو لاش پر مری مقتل میں آکے روئے گی
سوائے حشر ملاقات اب نہ ہووے گی!

مرثیہ نمبر ۲۵

شبِ عاشورہ

ابتر جو ہوا بعد عشاء دفتر ایماں   سجادۂ طاعت سے اُٹھے مظہر ایماں
راہی سوئے ناموس ہوا رہبر ایماں   آیا طرف برج خیام اختر ایماں
یہ لے کشش قلب سے خواہر کی طرف آئے
کچھ سوچ کے منزل گہ اکبرؑ کی طرف آئے

دیکھا جو شکاف در خیمہ سے بصد غم   دل چاک ہوا شہ کا نظر آیا وہ عالم
مسند پہ ہیں لیٹے ہوئے اکبرؑ خوش و خرم   بالیں پہ ہے ماں سونگھتی ہے گیسوئے پرخم
نہر آنسوؤں کی دیدۂ پرغم سے بہی ہے
اک شمع لئے ہاتھ میں منہ دیکھ رہی ہے

کہتی ہے بصد یاس کہ اے وائے مقدر   کل خاک میں مل جائے گی یہ شکل منور
اس چاند کے ٹکڑے کو کہاں پائیگی مادر   آلودۂ خوں ہوں گے یہ گیسوئے معنبر
کیا عید ہو گر جان حزیں تن سے نکل جائے
مجھ کو کہ جلی پر تیری آئی ہوئی ٹل جائے

برچھی سی لگی سُن کے یہ حسرت بھری تقریر تھرّائے ہوئے آئے سوئے خیمہ ہمشیر
کیا دیکھتے ہیں آ کے وہاں حضرتِ شبیرؑ ہیں دونوں پسر روبروئے مادرِ دلگیر
لے لے کے بلائیں انہیں سمجھاتی ہے زینبؑ
یوں اپنے جگر گوشوں سے فرماتی ہے زینبؑ

ماں صدقے ہو ماموں پہ فدا کیجیو جانیں ترساغرِ کوثر سے ہوں خشک زبانیں
ہاں روکیو ان پھول سے سینوں پہ سنانیں یوں پہلے پہل لڑتے ہیں دشمن بھی تو جانیں
کیا لطف کہو تم کہ ہیں دلبند نبیؐ کے
خود بول اُٹھے رن کہ نواسے ہیں علیؑ کے

خُشکی ہی میں آبِ دمِ شمشیر بہانا تشنہ دہنِ اصغرؑ ہے ترائی میں نہ جانا
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے وہ جوہر دکھانا گو تم نہ ہو پر خلق میں رہ جائے فسانا
کہنے کو ہو یہ بات کہ سات آٹھ برس کے
زینبؑ کے پسر مر گئے پانی کو ترس کے

آئی ہے بلا بھائی پہ گھبرائی ہے زینبؑ آفت کے شکنجے میں یہ دکھ پائی ہے زینبؑ
غربت میں فدا ہونے کو ساتھ آئی ہے زینبؑ گھر سے تمہیں صدقے کیلئے لائی ہے زینبؑ
نُصرت کے سوا اور کوئی کام نہ کرنا
للہ مرے دودھ کو بدنام نہ کرنا

گو دودھ بحل میں نے کیا تم کو ابھی سے — دی پیاس میں مرنے کی رضا تم کو ابھی سے
کی رخصتِ جنگاہ عطا تم کو ابھی سے — لو برچھیوں کو سونپ دیا تم کو ابھی سے
ماں صدقے ہو زندہ نہ کبھی آئیو رن سے
محجوب نہ کرنا مجھے تم روحِ حسنؑ سے

یہ سن کے مڑے خیمۂ قاسمؑ کی طرف شاہ — یہاں بھی نظر آئی وہی کیفیتِ جنگاہ
بیٹھے ہوئے تھے ماں کے قریں قاسمؑ نوشاہ — ہے زوجۂ شبرؑ کا یہ ارشاد بصد آہ
کیوں واری ہوئی صلح نہ افواجِ دغا سے
کل جنگ و جدل ہوئے گی بیالے کے چچا سے

آگے بڑھے پکڑے ہوئے دل سرورِ اماں — آئے طرفِ خیمۂ ابنِ شہِ مرداں
حجت شرفِ ماہِ بنی ہاشمِ ذی شاں — دیکھا تو نظر آیا یہ احوالِ پریشاں
اک گوشے میں سر کھولے ہوئے روتی ہے کلثوم
اترا ہوا منہ آنسوؤں سے دھوتی ہے کلثوم

اُن کا تو یہ عالم ہے کہ دل غم سے ہے بیکل — اور تیغ پہ عباسؑ علی کرتے ہیں صیقل
گر دیکھتے ہیں انگلی سے باڑھ کو بھی کس بل — تابیں رُخِ روشن سے چمکتی ہیں جھلاجھل
پٹکا شہِ مرداں کا لپیٹا ہے کمر میں
ہیں سامنے رکھے ہوئے ہتھیار سپر میں

غازی نے یکایک سرِ انور جو اٹھایا کلثومؑ دل افگار کو روتا ہوا پایا
پوچھا سبب گریہ تو خواہر نے سنایا ہے اپنے مقدر پہ رونا مجھے آیا
کل صبح کو یہاں معرکۂ مہر و وفا ہے
قربانی کا ہنگام ہے بازار قضا ہے

ہیں عون و محمد لیسرِ زینبِ مضطر اور بانوئے ناشاد کے فرزند ہیں اکبرؑ
فرواکے جگر گوشے ہیں قاسم بن شبّرؑ مائیں انہیں کل صدقے کریں گی شہِ دیں پر
اس غم سے ہے مضطر دل ناشاد برادر
رکھتی نہیں میں دولت اولاد برادر

یارا نہ رہا ضبط کا اس کلمہ کو سُن کر کلثومؑ کے قدموں پہ گرا دوڑ کے صفدر
کی عرض کہ بیٹے کی جگہ ہے یہ برادر رشتے میں نہیں ہو یہ ہو تم ماں کے برابر
اس سوچ میں اب کیوں دل بیتاب حزیں ہے
عباسؑ تو ہے گر کوئی فرزند نہیں ہے

حضرت ہی کے باعث تو حاصل ہوئی عزت بچپن سے ہو تم مورد الطاف و عنایت
بیٹوں کی طرح آپ نے پالا ہے بہ شفقت آقا سے چھٹوں ہی تو ملے مرنے کی رخصت
کل صبح فراغت ہو جو نہی طاعت رب سے
آقا پہ فدا کیجئے پہلے مجھے سب سے

مرثیہ نمبر ۲۶

صبح عاشورہ

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اُس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اُٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

یہ سنتے ہی بستروں سے اُٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زبادِ عطر میں کپڑے بسے ہوئے

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں
صوت حسن سے اکبرِ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آ گئی

ناموس شاہ روتے تھے خیمہ میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے موذن کے میں نثار
کرتے ہیں سب ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو اذاں سنو مرے یوسف جمال کی

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحہ کو جوانان تشنہ کام
چومے کسی نے دست شہنشاہ خاص و عام
آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر باحترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہ فلک سریر
ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکر شریر
عباس اٹھے تول کے شمشیر بے نظیر
پروانے تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرور زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکر گراں
تم جاکے کہدو خیمہ میں اے پدر کی جاں
بچوں کو لیکے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے یہ مجھے کہ گردن اصغر ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ لپٹ کے شہِ آسماں سریر — فضہ پکاری ڈیوڑھی سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر — اصغر کے گاہوارے تلک آکے گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھبرا کے روئے ہیں
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار — ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو روکے رفیق یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار — کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر — ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر
جوشن پہن کے حضرت عباسؑ نامور — دروازے پہ ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

خیمہ میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال — چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِّ ذوالجلال — بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

بولے قمر یہ جا کے شہ آسماں جناب
مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں خانماں خراب
خود جا کے میں کہتا ہوں ان کو وہ تو اب
موقع نہیں بہن ابھی فریاد و آہ کا!
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا!

پوشاک سب پہن چکے جب شہ زمن
لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں حیدر و حسن
اماں کہاں سے لائے تمہیں اب بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقے گئی بلائیں تو لو لے نے لال کی!

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہ زمن
کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنی بہن
خیر خیر تیز عاقل و جرار صف شکن
زینب یہ حید عصر ہیں دونوں گلبدن
یوں دیکھنے کو سب ہیں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

اب تم جسے کہو اسے دیں فوج کا علم
کی عرض جو صلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے اٹھ گئیں زہرا با کرم
اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خرد ہو
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام　　ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام　　گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام
شوکت میں قد میں شان میں ہمسر نہیں کوئی
عباسؑ نامدار سے بہتر نہیں کوئی!

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن　　ہاں تھی یہی علی کی وصیت بھی اے بہن
اچھا بلائیں آپ کہ ہے وہ صف شکن　　اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہ غیور کو
چلئے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ　　جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینبؑ جو دیں علم لئے آئیں عزّ و جاہ　　بولے نشاں کو لیکے شہ عرش بارگاہ
انکی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

ناگاہ آکے بالی سکینہ نے یہ کہا　　کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا　　لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علی کے نشان کی

عباس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ! عمو نثار پیاس کیا حال ہے بتاؤ
لولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ اب تو علم ملا تمھیں پانی مجھے پلاؤ!

تحفہ نہ کوئی دیجئے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

باتوں پہ اُس کی روتی تھیں بیبیاں تمام کی عرض آ کے ابن حسنؑ نے کہ یا امام
اب فوج ہے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام

عباسؑ اب علم لئے باہر نکلتے ہیں!
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

سوز

جب کہ اعدا سے کسی طرح صفائی ٹھہری صبح عاشور حرم کو لڑائی ٹھہری
پوچھا زینبؑ نے کیا اے مرے بھائی ٹھہری شہؑ نے فرمایا بہن تم سے جدائی ٹھہری

آج پیاروں کی ملاقات غنیمت جانو
اے بہن آج کی یہ رات غنیمت جانو

مرثیہ نمبر ۲۷

صبح عاشورا

جب آسمان پہ صبح کا تارا ہوا عیاں — بھائی بہن میں ہونے لگی غم کی داستاں
اکبرؑ سے اشک بھر کے یہ بولے شہِ زماں — وقتِ نمازِ صبح ہے اے میرے نوجواں
ارمان کچھ تو دکھیا جگر کے نکال دے
آج آخری اذاں مرے یوسف جمال دے

ارشادِ شہ کے پاتے ہی وہ یوسف زماں — تحت الحنک کو چھوڑ کے دینے لگا اذاں
بالکل تھا لحن حضرت داؤدؑ کا ساماں — زینبؑ دعا یہ کرتی تھی یا ربِّ انس و جاں
دولہا بنے یہ عمر بڑھے نورِ عین کی
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسینؑ کی

اک سمت کو وہ یوسفؑ و یعقوبؑ کربلا — دے کر اذان کرتا تھا رو رو کے یہ دعا
یارب ہیں اہل بیتِ نبیؐ غم میں مبتلا — پردیسی ہیں نہ ہے کوئی یاور نہ آشنا
اپنا کرم شریک غریبوں کے کیجیو
ماتم میں میرے ماں کو مری صبر دیجیو

اک سمت یاورانِ شہنشاہِ بحر و بر بیٹھے ہیں جانمازوں پہ اپنے جھکائے سر
شوقِ اجل میں حال سے دنیا کے بے خبر رُخ سوئے قبلہ اور یہ کلمہ زبان پر
آفت کا سامنا ہے شہِ مشرقین سے
یا رب یہ زمانہ پھرا ہے حسینؑ سے

چرچے تھے یہ خیامِ شہِ دیں پناہ میں بجنے لگے جو طبل عدو کی سپاہ میں
اندھیرا چھا گیا خواہرِ شہ کی نگاہ میں لرزہ پڑا مزارِ رسالت پناہ میں
بانوؑ پکڑ کے سینہ کو ہاتھوں سے رہ گئی
آوازِ الفراق قضا سب سے کہہ گئی

سجادوں کو لپیٹا رفیقانِ شاہ نے باندھی کمر جہاد پہ ہر رشکِ ماہ نے
پہنا لباسِ مرگ شہِ دیں پناہ نے گردوں ہلا دیے زینبؑ مضطر کی آہ نے
آمادہ مرگ پر شہِ ذیشان ہو گئے
بانوؑ کے راج لٹنے کے سامان ہو گئے

مقتل میں تھا یہ حال سلیمانِ کربلا اک مردِ خوش نصیب کا لکھتے ہیں ماجرا
شادی کے واسطے تھا واں گھر سے وہ ہوا مادر بھی اُس کے ساتھ تھی سکی بصد ضیا
دل سے نثار تھی جو پیمبرؐ کی آل پر
پڑھ کر درود کرتی تھی دم اپنے لال پر

القصہ بعد شادیٔ فرزند مہ لقا ہمراہ لے کے دولہا دلہن کو بصد ضیا
راہی ہوئے وطن کی طرف کو وہ پارسا موجود گو ہر ایک تھا ساماں عیش کا
پر تھے اداس شکل نہ تھی کوئی چین کی
تاریخ دسویں تھی یہی قتل حسینؑ کی

جس سمت دیکھتے تھے اٹھا کر وہ اپنا سر آتے تھے صاف حشر کے ساماں انہیں نظر
بیٹے سے اپنے کہنے لگے یوں وہ خوش اثر آتے ہیں غیر طور زمانہ ہمیں نظر
آتے ہیں زلزلے جو ہر اک آن آن میں
اغلب ہے سانحہ ہو نیا کچھ جہان میں

پھر اک طرف کو دیکھتا ہے کیا وہ نیکخو اک خیمہ سیاہ ہے برپا کنارہ جو
کچھ بیبیاں ہیں خیمہ کے اندر کشادہ مُنہ آتی ہے جن سے فاطمہ زہرا کے خوں کی بو
غمگیں خستہ حال ہر اک سوگوار ہے
پوشاک پہنے سوگ کی اک سوگوار ہے

یہ حال دیکھکر دلِ دولہا لرز گیا دل سے کہا کہ خیر کرے میرا کبریا
بیکس یہ کون ہیں جو ہیں آفت میں مبتلا پھر جا کے اپنی ماں سے کہا سارا ماجرا
یہ سُنکے مومنہ کے نہ کچھ دل کو کل پڑی
بے ساختہ محافہ سے باہر نکل پڑی

بیٹے سے اپنے کہنے لگی تب وہ دل کباب
بے شک ہے یہ بزرگ کوئی آسماں جناب
شاہ ایسے رنج میں ہوں تیر میں کہاں ہے تاب
کیا دیکھتا ہے تھام لے بڑھ کر رکاب
بے شبہ آسمانِ شرافت کا ماہ ہے
جا دیکھ تو یہ کونسی بستی کا شاہ ہے

یہ سنکے آیا خدمتِ شہ میں وہ نیکنام
کی عرض السلام علیک اے فلک مقام
دے کر جواب کہنے لگے شاہ تشنہ کام
بھائی بتا تو کون ہے اور کیا ہے تیرا نام
صدمہ وہ کونسا ہے جو ہم نے سہا نہیں
میرا تو آج کوئی شناسا رہا نہیں

حاجت ہو جو تری وہ ابھی دم میں روا کروں
مقروض ہو تو بچوں کا زیور اتار دوں
پیدل ہے تو اگر تو ابھی راہوار دوں
بن جائے تیرا کام تو سر بھی اتار دوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا در چار ہوں
تم یہ نہ جانیو کہ غریب الدیار ہوں

یہ سنکے ہائے ہائے یہ گر وہ نکو خصال
کی دست بستہ عرض کہ اے مہ لقا ملال
بہر خدا بیان تو کر کیا ہے یہ تیرا حال
لاریب تو ہے شیفتۂ رب ذوالجلال
نزدیک ہے جو آئے قیامت جہان پر
لاکھوں کی کیوں چڑھائی ہے تجھ ناتوان پر

بہرِ خدا بتادے کہ کیا تیرا نام ہے — کیوں تیرے گرد لاکھوں کا یہ ازدحام ہے
کیا نام ہے وطن کا جہاں پر مقام ہے — تیرے بزرگ کون ہیں کیا اُن کا نام ہے
یہ تو میں جانتا ہوں کہ تو بے گناہ ہے
بتلادے پر تو کونسی بستی کا شاہ ہے

فرمایا شہؑ نے پوچھ نہ یہ غم کا ماجرا — بھائی میں رہنے والا ہوں شہرِ مدینہ کا
ہے نام میرا بیکس و مظلوم کربلا! — تقدیر لائی مجھکو کسی کی نہیں خطا
غربت میں آکے لُٹ گیا ناشاد ہو گیا
میں کربلا میں آن کے برباد ہو گیا

اک آہ بھر کے دولھا نے تب عرض یوں کیا — مشکل کو تیری سہل کرے میرا کبریا
بھائی تو رہنے والا ہے شہرِ مدینہ کا — یہ تو بتا ہے خیر سے زہراؑ کا لاڈلا!
ابن علیؑ و فاطمہؑ کے نورِ عین کا
آگاہ بھی ہے تو مرے آقا حسینؑ کا

یہ نام سُن کے روئے بہت شاہِ کربلا — غش آئے، تھا قریب، یہ تھی شدتِ بکا
دولھا نے گر کے پاؤں پہ تب عرض یہ کیا — اے شخص واسطہ تجھے پروردگار کا
بتلادے جلد تا دلِ بے کل کو کل پڑے
یہ نام سُن کے کیوں ترے آنسو نکل پڑے

یہ عرض کر رہا تھا وہ دولہا کہ ایکبار   آئی صدائے دخترِ خاتونِ روزگار
بھائی حسینؑ اے مری اماں کی یادگار   تشریف لاؤ خیمہ میں زینبؑ ہے بے قرار

صدمے دیئے فلک نے نئے میری جان کو
غش آ رہے ہیں تب سے مرے ناتوان کو

سُن کر صدا یہ دولھا کو صدمہ ہوا کمال   تڑپا زمیں پہ ماہئی بے آب کی مثال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال   یہ کیا قیامت آ گئی اے فاطمہؑ کے لال

میں جانتا تھا شیدِ والا وطن میں ہیں
واقف نہ تھا کہ آپ ہی آفت کے بن میں ہیں

تقصیر بخشئے مری یا شاہِ نامدار   میں نے نہیں حضور کو پہچانا زینہار
شہ بولے کچھ گلہ نہیں اے مرد ذی وقار   تقدیر ہی نے کر دیا اپنا یہ حال زار

غربت میں خوب مجھ کو مقدر نے پھل دیا
قسمت نے آج سب مرا نقشہ بدل دیا

سر پیٹ کر یہ دولھا پکارا بصد ملال   اماں قیامت آ گئی اب کھولو سر کے بال
تنہا کھڑا ہے دھوپ میں یہ جو شخص خوں میں لال   اماں یہی ہے فاطمہؑ زہرا کا نونہال

ابنِ علیؑ و سبطِ شہِ مشرقین ہے
اماں یہی غریب مسافر حسینؑ ہے

مرثیہ نمبر ۲۸

صبح عاشورہ

جب صبح بے روائی زینبؑ عیاں ہوئی — ہمراہ شب سپاہ کواکب رواں ہوئی
تیار فوج قبلۂ کون و مکاں ہوئی — واں طبل جنگ بجنے لگا یاں اذاں ہوئی
مصروف حق کی یاد میں سب ارجمند تھے
قد قامت الصلوٰۃ کے نعرے بلند تھے

تعقیب فرض صبح ابھی پڑھ رہے تھے شاہ — جو تیر آکے رن سے گرے سوئے خیمہ گاہ!
کی مڑ کے شاہ نے رخ عباسؑ پر نگاہ — غازی نے عرض کی کہ بڑھی آتی ہے سپاہ؟
لازم ہے جنگ خیمے کی ڈیوڑھی سے دور ہو
روکے انھیں غلام جو حکم حضور ہو

شہ نے کیا اشارہ کہ چلتے ہیں ہم بھی اب — آنے دو تیر، جاؤ نہ تم جو رضائے رب
چپ ہو گیا یہ سن کے وہ غازی بصد ادب — سجدے میں سر جھکا کے اٹھے شاہِ تشنہ لب
رخصت کو بیبیوں سے علیؑ کا خلف گیا
بیت الشرف میں نیّرِ برجِ شرف گیا

خیمے میں جا کے شاہ بدلنے لگے لباس ہتھیار جب سجے تو ہوئی بیبیوں کی یاس
بانو کا رنگ زرد دکھا زینب بھی بے حواس دامن قبا کا پکڑے سکینہ کھڑی تھی پاس

پھیلا کے ہاتھ کہتی تھی گودی میں آئیں گے
بابا سدھاریے گا تو ہم روٹھ جائیں گے

ہتھیار کیوں لگائے ہیں باندھی ہے کیوں کمر کیوں بابا جان یہاں سے کہیں اور ہے سفر
اچھا چلو کہ یاں تو ڈری ہوں میں رات بھر آواز گریہ آئی ہے جنگل سے تا سحر

اماں ذرا نہ سوئیں نہ ہم شب کو سوئے ہیں
اصغر بھی چونک چونک کے راتوں کو روئے ہیں

پوچھو پھوپھی سے سنتی تھیں یا شاہِ نامدار اک بی بی پیچھے خیمے کے روتی تھی زار زار
صدا آتی تھی صدا کرے بیکس تمہارے نثار ہے ہے حسین تیر گلا اور چھری کی دھار

سونا ہے کل زمیں پہ مرے رشکِ ماہ کو
بالوں سے جھاڑتی ہوں میں اس خوابگاہ کو

بیٹی نثار ہو گئی اچھے مرے پدر اٹھوا دو خیمہ جلد یہاں سے کرو سفر
کانوں پہ ہاتھ رکھے رہی ہوں میں رات بھر ڈرتا ہے دل کہ چھین نہ لیوے کوئی گہر

کانوں سے بالیاں جو اتارے تو کیا کروں
کوئی طمانچے آن کے مارے تو کیا کروں

ہر دم صدا یہ آتی ہے اے سرورِ زمن — اب گھر زمیں ہے آلِ محمدؐ کی اور رسن
قسمت میں ہے کہ رانڈ ہو اس رات کی دلہن — بھائی سے چھوٹ جائے مصیبت زدہ بہن
برباد خاندانِ رسولِ کریم ہو!
ڈھل جائے دوپہر تو سکینہ یتیم ہو!

کس کو یتیمی کہتے ہیں یا شاہِ دیں پناہ! — یہ کیا غضب ہے کونسا مجھ سے ہوا گناہ
روکا ہے واں ذمیں کنواں ہے جہاں جاہ! — کیا خوب مہمانیٔ آلِ عبا ہے واہ
فاقہ تو رات ہے ہمیں اس کا گلہ نہیں
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ملا نہیں

بیٹی کے اس کلام پہ روئے امامِ دیں — منہ چوم کر کہا کہ نہیں تم ڈرو نہیں
زندہ ابھی تو ہے پدرِ بیکس و حزیں — بی بی نہ روؤ دور نہ جائیں گے ہم کہیں
مہماں ہوئے ہیں جن کے وہ ہم کو بلاتے ہیں
پانی تمہارے واسطے لینے کو جاتے ہیں

اچھا نہ یاں رہیں گے جو ایسا ہے تم کو ڈر — ہم بعدِ عصر آج ہی کر جائیں گے سفر
ان بھولی بھولی باتوں کے قربان ہو پدر — سچ ہے کہ یہ مقام نہایت ہے پُرخطر
دشمن ہیں سب امامِ غریب الدیار کے
رکھوا دو ماں کے پاس یہ بُندے اتار کے

ایسا نہ ہو کہ کوئی دکھا دے تمہارے کان
فکر اپنی کچھ نہیں ہے تمہارا ہے مجھ کو دھیان
تجھ پر نثار جان پدر اے سکینہ جان
بن پانی اینٹھی جاتی ہے سوکھی ہوئی زبان

اس غم سے مجھ کو چین نہیں بے قرار ہوں
بی بی تمہارے منہ سے بہت شرمسار ہوں

بولی مچل کے وہ کہ نہ مانوں گی میں پدر
جنگل میں چھوڑ کر مجھے جاؤ گے تم کدھر
بہلائیے نہ بیٹی کو یا شاہ بحر و بر
یہ پیار آخری ہے مرے دل کو ہے خبر

میں خوب جانتی ہوں کہ منہ موڑتے ہیں آپ
صغرا تو واں چھٹی مجھے یاں چھوڑتے ہیں آپ

باتیں ہیں سب فراق کی یا شاہ نامدار
مانوں نہ ایک میں کوئی مجھ سے کہے ہزار
مجھ کو اتارے دیتے ہیں گودی سے بار بار
بس بابا جان دیکھ لیا آپ کا بھی پیار

ہے ہے طبیعت آپ کی بیٹی سے ہٹ گئی
اتنی سی عمر میں مری قسمت الٹ گئی

جس دم کئے سکینہ نے یہ جانگزا کلام
روئے لپٹ کے زینب ناشاد سے امام
قدموں سے تھی چھٹی ہوئی بانوئے نیکنام
کھولے سروں کو بیٹھی تھیں سب بیبیاں تمام

آمادہ سفر تھا مسافر عراق کا!
تھا شور الوداع کا اور الفراق کا!

مرثیہ نمبر ۲۹

شہادت حضرت حُرؑ

رن میں جب شہ کی طرف سے حرؑ دیندار آیا
کس بشاشت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غمخوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرؑ کرار آیا
متقی لو سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

یہ سخن سُن کے پکارا لعینِ سعد شریر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیکے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہِ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جوانمرد نے کھینچی شمشیر
حرؑ کا مُنھ سُرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نے عزتِ جاہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ حرؑ غازی واہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی　　سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز ادھر اور ادھر تنہائی!　　باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آگیا موت کے پنجہ میں نہ کچھ دیر لگی!
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے　　رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر منہ موڑ کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلا کے　　گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادم حضرت زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر اب وہ سعید ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر　　ہو گئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر
علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر　　حرؑ کی امداد کو ہم جائیں گے اے نور نظر
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش اٹھاؤں گا کہ مہماں کا حق مجھ پر ہے

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شبیرؑ　　واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حرؑ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر　　پہونچے لاشے پہ امام دو جہاں وقت اخیر
چمن ہستیِ مہماں کو اجڑتے دیکھا
خاک پر ایڑیاں زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور　　میرے مہمان و مددگار و معین و یاور
گر کے کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر!　　گر پڑے گھوڑے سے لو آہ نہ کی ہم کو خبر

دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے
کھول دے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

نیم وا چشم سے حُر نے رُخِ مولا دیکھا　　زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیہ دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا　　شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری کیا دیکھا

عرض کی حُسنِ رُخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ　　ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ　　لو برآمد ہوئے شبّرؑ بھی پدر کے ہمراہ

ننگے سر احمدِ مختار کی پیاری آئیؑ!
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی!

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی　　آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی　　چل بسے حُرِ جری پھر نہ کچھ آواز آئیؑ

طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

مرثیہ نمبر ۳

شہادتِ حضرتِ حرؑ

جنت کے در پہ حرؑ جونہی جا کر کھڑا ہوا زخمی تمام تن تھا لہو سے بھرا ہوا
رضواں نے دیکھا آیا کوئی سر کٹا ہوا پوچھا کہ سر ترا تنِ زخمی سے کیا ہوا

بولا اُٹھا کے آیا میں ظلم شدید ہوں
میں لشکرِ حسینؑ میں پہلا شہید ہوں

اس نے حسینؑ ابن علیؑ کا لیا جو نام رضواں نے اس کو جھک کے ادب سے کیا سلام
انگلی پکڑ کے اس کی بہ آہستگی تمام بولا نبیؐ کے پاس تو چل جلد تشنہ کام

تجھ سے جو کچھ ہے رشتہ حسینؑ امام سے
ظاہر تو چل کے کیجیو خیر الانام سے

القصہ جب رسولؐ کے پاس اس کو لے گیا اور وہ نبیؐ کے سامنے جا کر کھڑا ہوا
پوچھا نبیؐ نے کون ہے تو سر ہے کیوں کٹا حرؑ بولا کر کے مجرا کہ یا شاہ انبیا

میں بیٹھا ہوں آنسوؤں سے بھر کے نین کو
کرتے ہیں قتل اب مرے آقا حسینؑ کو

یا مصطفیٰ حبیب خدا شاہ بحر و بر　　میرا ہے نام حر میں ریاحی کا ہوں پسر
شبیر کا ہوا تھا ہراول میں آن کر　　قدموں تلے حسینؑ کے میرا کٹا ہے سر
کرنے خبر میں آیا شہ مشرقین کی
کرب و بلا میں کٹتی ہے گردن حسینؑ کی

یوں مصطفیٰ سے کرتا تھا حر اپنی جگر بیاں　　اک حور کی نظر پڑی اس پہ جو ناگہاں
بنت نبیؐ سے جا کے کہا یہ بصد فغاں　　اک شخص آیا ہے سر کٹا ہے لہو لہاں
کرتا نبیؐ سے رو رو کے وہ قیل و قال ہے
اس کے گلے میں بی بی تمہارا رومال ہے

کہتا ہے ماجرا وہ حسینؑ امام کا　　مشتاق ہے بہت ہی وہ پانی کے جام کا
سنکر کلام درد ابس تشنہ کام کا　　احوال ہے تباہ رسولؐ انام کا
ہاں چل کے دیکھئے جو ستم اشقیا کا ہے
بی بی تمہارے بیٹے کا وہ دوستدار ہے

کیا جانئے حسین پہ صدمہ ہے کیا ہوا　　جو اس کا سر حسینؑ کی خاطر جدا ہوا
اس حور کی زبانی یہ سنکر بنت مصطفیٰ　　اپنے پدر کے پاس گئی سننے ماجرا
دیکھا تو سچ ہے آیا ہے اک سر کٹا ہوا
رومال بھی گلے میں ہے میرا بندھا ہوا

خیر النساء کی اس میں جو نا گہ نظر پڑی | پہلے تو اس کی شکل پہ قربان ہو گئی
بعد اس کے پوچھنے لگی وہ دُخترِ علیؑ | میرے حسینؑ پیارے کی کہہ تو خبر ذری

کیوں شکل تیری دیکھ میری پھٹتی چھاتی ہے
بوئے حسینؑ جسم سے کیوں تیرے آتی ہے

یہ سُن کے حُر نے قدموں پہ زہراؑ کے سر رکھا | بولا نیا غلام ہوں آقا حسینؑ کا
ابن علی کا کیا کہوں ہیں تم سے ماجرا | فدیہ میں ہو حسینؑ کا سر ہے مرا کٹا

آفت عجب ہی ٹوٹی ہائے شہ مشرقین پر
بلوا پڑا تھا رو برو میرے حسینؑ پر

آنکھوں سے ہی دیکھ کے آیا تھا میں یہ حال | لیکن قریب خُلد کے جب پہنچا میں یہ لال
بولی رہ میں اک فرشتہ نے مجھ سے کیا ملال | کرب و بلا سے میں ابھی ہو آیا اُدھر میں لال

تیغ دودم ستمگروں کی تن پہ چل گئی
خنجر کی دھار شاہ کی گردن میں چل گئی

زینبؑ کے لال مر گئے ماموں پہ ہو فدا | اکبر علیؑ کو برچھی لگی وا مصیبتا
مسلمؑ کے بیٹے کٹ گئے در فوج اشقیا | قاسمؑ کی شادی لٹ گئی عباسؑ علی مُوا

سجادؑ ناتواں پہ ستم آشکار ہے
گردن میں طوق ہاتھوں میں اس کے مہار ہے

زنجیر پہنے روتا ہے وہ دلبر حسینؑ　سر ننگے بلوہ میں ہے کھڑی خواہر حسینؑ
جلتی ہوئی زمیں پہ ہے اب بستر حسینؑ　بن پانی کے سسکتی ہے اک دختر حسینؑ

لاشوں کے درمیان حرم ہیں کھڑے ہوئے
نیزوں پہ سب شہیدوں کے سر ہیں چڑھے ہوئے

قاسمؑ کے سر پہ سہرا بندھا تھا جو پھولوں کا　کٹ کٹ کے تیغوں سے وہ ہوا ہے جدا جدا
مجھ جن کے اسکو اس کی دلہن دامیتا　یہ کہکے اس کی لاش پہ دھرتی ہے خاک اڑا

ماتم میں تیرے اہل حرم دل ملول ہیں
سہرا نہیں یہ تیرے جنازے کے پھول ہیں

میں نے یہ سب بیانی فرشتہ کے تھا سنا　اور مجھ کو آگہی تھی جو کچھ میں نے وہ کہا
پیاسا ہوں جام اک مجھے دیجئے منگا　تب مرتضیٰؑ سے بنت پیمبرؐ نے یہ کہا

پاس اپنے یا علیؑ اسے جلدی بلایئے
کوثر پہ خون حُر کے بدن سے دھلایئے

یہ کہہ کے فاطمہؑ نے کیا حُر سے یہ سوال　کس نے گلے پہ باندھا تھا تم نے مرا رومال
وہ بولا کیا کہوں میں جگر خستہ پر ملال　کھا کر گلے پہ برچھی ہوا میں جو نیم نڈھال

نے اس گھڑی حواس نہ کچھ مجھکو ہوش تھا
شہ رگ سے میرے خون کا دریا کا جوش تھا

فوارہ خون کا بہنے لگا اور جب تھما سرور کو آئی ہاتف غیبی سے یہ صدا
رومال فاطمہؑ کا جو بازو پہ ہے بندھا حُرؑ کے گلے پہ باندھ دو یا سبطِ مصطفےٰ!
سن کر کے رکھا حسنِ شہِ باکمال نے
شہ رگ کا خون بند کیا اس رومال نے

یہ سن کے اس کو زہراؑ نے دیکر دعا کہا تو بھی مرے عزیزوں میں اب تو ٹھہر چکا
اے حُرؑ تجھے ہے آفریں اور لاکھ مرحبا سر تو نے میرے بیٹے کی خاطر کٹا دیا!
محشر کے روز پہلے تجھے بخشواؤنگی
عباسؑ علی کے زیرِ علم جا بٹھاؤنگی

القصّہ کیا بیان کروں میں غم کا ماجرا ماتم زدوں کا قافلہ فردوس سے چلا!
جب تھوڑی دور پہنچا وہ سر پیٹتا ہوا کیا دیکھتی ہے فاطمہؑ معصوم پارسا
آتا ہے اک فرشتہ یہ کہتا لبِ تور وشین
جنّت کے روضہ میں چلا لشکر حسینؑ

زہراؑ نے اس فرشتہ سے باچشم اشکبار پوچھا کہ کتنی دور ہے وہ میرا نامدار
وہ بولا اے حسینؑ کی ماں بی بی باوقار اب کوئی دم میں ہوتی ہے بیٹے سے ہمکنار
رُتبہ بڑا ہے بادشہِ مشرقین کا
محشر میں بول بالا ہے تیرے حسینؑ کا

مرثیہ نمبر ۳۱

شہادت حضرت عون و محمد

ہے شور کہ زینبؑ کے پسر آتے ہیں رن میں — دریائے شرافت کے گہر آتے ہیں رن میں
روشن ہے زمیں شمس و قمر آتے ہیں رن میں — شہزادۂ اقلیم ظفر آتے ہیں رن میں
تھرائیں نہ کیوں دل کہ دلیروں کی ہے آمد
ہشیار خبردار کہ شیروں کی ہے آمد

حیدرؑ کی طرح شیر دلاور انھیں سمجھو — جان و جگر ضیغم داور انھیں سمجھو
شبیرؑ کا ہمدم انھیں یاور انھیں سمجھو — دریائے شرافت کا شناور انھیں سمجھو
ہاں زور دکھائیں گے یہ خالق کے ولی کا
دودھ انکی رگوں میں ہے بھرا بنت علیؑ کا

واں فوج میں غل تھا ادھر رونے کی تھی دھوم — بیٹوں کو پہناتی تھی کفن زینبؑ مغموم
لب پر یہ دعائیں تھیں کہ یا خالق قیوم — دونوں ہوں نثار قدم سرور مظلوم
وہ وقت نہ آئے کہ بہن بھائی سے چھٹ جائے
شبیرؑ کی ہو خیر! کمائی میری لٹ جائے

یہ کہہ کے انہیں لائیں حضور شہ ذیجاہ　　کی عرض کہ حاضر ہیں غلام آپ کے یا شاہ
حسرت ہے کہ حضرت سے ملے رخصت جنگاہ　　مرنے پہ کمر باندھ کے آئے ہیں یہ ہمراہ
منظور ہے ان کو یہ شریک شہدا ہوں
اعدا سے لڑیں اکبرؑ و اصغرؑ پہ فدا ہوں

ہیں آپ تو ہمشیر کے احوال سے آگاہ　　نادار ہوں مجبور ہوں محتاج ہوں یا شاہ
بیٹوں کو اسی واسطے لائی تھی میں ہمراہ　　نذر آج انہیں کرتی ہوں یا سرور ذیجاہ
رد کیجئے نہ اس خواہر غمخوار کا ہدیہ
صدقہ گئی مقبول ہو نادار کا ہدیہ

منہ دیکھ کے زینبؑ کا یہ کہنے لگے شبیرؑ　　تلواروں میں ان بچوں کو میں بھیجوں کہ ہمشیر
کی دست ادب جوڑ کے دونوں نے یہ تقریر　　ہم آپ کے اقبال سے ہیں صاحب شمشیر
بچے ہیں پہ ہم سا کوئی جرار نہیں ہے
تلواروں میں جانا ہمیں دشوار نہیں ہے

ہم وہ ہیں کہ حملوں سے صفیں فوج کی توڑیں　　دیکھیں تو بھلا تیروں کو چلوں میں تو جوڑیں
ماریں جسے بے ذبح کئے اس کو نہ چھوڑیں　　غازی نہ سمجھئے گا جو منہ جنگ سے موڑیں
تشویش ہے کیا مالک شمشیر ہیں ہم تو
تیغوں کو چبا جائیں گے وہ شیر ہیں ہم تو

خوش ہو کے جو زینب نے اشارہ کیا یکبار — سردار کے قدموں پہ جھکے وہ جگر افگار
چھاتی سے لگا کر انہیں بولے شہ ابرار — روؤ نہ رضامند ہوں میں بیکس و ناچار
اندوہ یہ اندوہ ہے زہرا کے پسر پر
دو داغ تمھارے بھی اٹھائیں گے جگر پر

شبیر نے رو رو کے جو یہ بات سنائی — سب رانڈیں لگیں پیٹنے دے دے کے دہائی
چلائی یہ مخدومۂ کونین کی جائی — اس ذکر نے ہمشیر کو بسمل کیا بھائی
تقدیر یہ آفت ابھی دکھلائے گی تجھ کو
مرجائیں گے سب ہائے نہ موت آئے گی تجھ کو

سن سن کے یہ سب بین جو باحالت تغیر — حضرت سے یہ کہنے لگے وہ صاحب توقیر
تعجیل سعادت ہیں مناسب نہیں تاخیر — جاتے ہیں یہ غمخوار سوئے لشکر بے پیر
حیدر کی اماں میں شہ ذیجاہ کو سونپا
شہ نے کہا جاؤ تمھیں اللہ کو سونپا

وہ چاند سے منہ اور گیسوئے معنبر — وہ بدر شبیں چار زہے قدرت داور
سب شان ید اللہ کی سب شوکت جعفر — چتون وہی غصہ وہی بالکل وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحب شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

اس شان سے جب طاہر میداں ہوئے دونوں
شکل مہ و خورشید کا ساماں ہوئے دونوں
نیساں نہ باں سے گہر افشاں ہوئے دونوں
یوں بڑھ کے سوئے فوج رجز خواں ہوئے دونوں
ہاں کچھ جسے دعویٰ ہو بے جنگ وہ آئے
ہونا ہو جسے تیغ سے چو رنگ وہ آئے

نعرہ سے دلیروں کے پڑی فوج میں ہلچل
جنبش ہوئی گیتی کو لرزنے لگے جنگل
بھاگے ادھر اسوار ادھر چھپ گئے پیدل
اول صفِ آخر ہوئی آخر صفِ اول
مجمع تہ و بالا سرِ میداں نظر آیا
لشکر کے الٹ جانے کا ساماں نظر آیا

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
بھائی میں بھگا دوں گا ابھی انکو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی کی کلیجے کو نہیں تاب
سینہ میں مرے دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ بھی حق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام
ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام
غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
بچے کے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب — ہر دم ہے رضامندیٔ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب — منظور یہ تھا فتح کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو نہ دیکھیں گے کبھی آنکھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہ والا کو پلا کے

پھر دونوں نے گھوڑوں کو اڑایا سوئے لشکر — برہم ہوئے دستے تو رسالے ہوئے ابتر
رکتے ہی نہ تھے فوج سے وہ شیر دلاور — جرأت میں یہ جعفر تھا شجاعت میں یہ حیدر
صفین کی جدل بھول گئی لشکریوں کو
یاد آگئی خیبر کی وغا خیبریوں کو

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں مہر و ماہ — ہر در سے کھڑی کہتی تھی مادر سوئے جنگاہ
عباس سے کہتے تھے تڑپ کر شہ ذیجاہ — اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہوں میں اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

عباس نے کی عرض کلیجہ ہے دوپارا — ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اکبر کو پکارا — جاتا ہے یہ غلام آپ فرمائیں جو اشارا
حضرت کی قسم دیکے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

گھبرا کے در خیمہ سے زینب یہ پکاری سر ننگے نکلونگی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری بتلاؤ کہ میں انکی ہوں یا عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسم بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

زہرا کی قسم کچھ مجھے بیٹوں کا نہیں دھیان بھائی یہ تصدق ہوں یہی ہے مجھے ارمان
وہ آئے تو دو سو اس سے دل ہوگا پریشان صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود روؤنگی پر شاہ کو غم کھانے نہ دونگی
لاشہ بھی اٹھانے کیلئے جانے نہ دونگی

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے لو شاہ کی ہمشیر کے فرزند سدھارے
ٹکڑے سے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے وہ لوٹتے تھے خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کی لاشونکی اب اسوار بڑھے ہیں
بچوں کے سر اب کٹ کے سنانوں پہ چڑھے ہیں

یہ سنتے ہی بس پہلو میں سنبھلا نہ دل زار اور شاہ کی ہمشیر گری خاک پہ اکبار
وہاں شوق میں روتے ہوئے پہنچے شہ ابرار مہماں کوئی ساعت کے ہیں وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

مرثیہ نمبر ۳۲

در حال حضرت عونؑ و محمدؑ

جب چھپ گئے زینب ناشاد کے پیارے | اور ڈوب گئے شام کے بادل میں ستارے
جس وقت وہ جنگاہ سے آگے کو سدھارے | ماں آگئی تب ڈیوڑھی پہ بیتابی کے مارے
پہونچی یہ خبر بنت شہنشاہ نجف کو
بیٹے ترے لڑنے گئے دریا کی طرف کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی خواہر | نزدیک تھا آئے نکل پردے سے باہر
رو رو کے یہی سوچتی تھی ہائے وہ مضطر | دریا پہ پی لیں کہیں پانی مرے دلبر
ہر چند کہ ہیں ساقی کوثر کے نواسے
لیکن ہیں کئی روز سے وہ بھوکے پیاسے

مجھکو بشریت کے تقاضے سے ہے وسواس | ہوتی ہے دم جنگ دلیروں کو بہت پیاس
پینا جو نہ تھا پانی تو کاہے کو گئے پاس | بھائی مرا پیاسا ہے اور اکبرؑ و عباسؑ
گھبرائی ہوئی اس لئے میں سوختہ دل ہوں
وہ پانی پئیں اور میں کنبے سے خجل ہوں

اس سوچ میں گھبراتی پھری درد کی ماری
ڈیوڑھی پہ وہ عباس علمدار کو پکاری
آئے جو علمدار تو کہنے لگی واری!
قربان بہن ہو گئی صورت پہ تمہاری

اس وقت محمد ہیں کہاں عون کدھر ہے
کچھ بھانجوں کی بھی اب تم کو خبر ہے

سنتی ہوں کہ دریا پہ گئے ہیں مرے جانی
پیاسے ہیں کئی روز سے پی لیں نہ وہ پانی
دونوں سے کہو جا کے یہ تم میری زبانی
ماموں کی کہیں بھول نہ تشنہ دہانی

گر پی لیا پانی تو نہیں لطف ذرا ہے
قربان گئی پیاسے ہی مرنے میں مزا ہے

رتبہ میں نہیں تم علی اکبر سے زیادہ
مضطر نہیں تم عابد مضطر سے زیادہ
پیاسے نہیں تم شاہ کی دختر سے زیادہ
کمسن نہیں تم کچھ علی اصغر سے زیادہ

مشہور تو ہو ایسے بڑے شیر کے پیارو
مر جاؤ تو تم پانی سے منہ پھیر لو پیارو

واللہ کہ حر کوئی نہ تھا اپنا یگانہ
آغاز تو دیکھو کہ کہاں سے ہوا آنا
انجام بخیر اب اسے کہتا ہے زمانہ
تا حشر زبانوں پہ رہے گا یہ فسانہ

بیگانوں کو یہ پایا جو منظور نظر ہو
بس تم تو مری جان ہو اور میرے جگر ہو

عباسؑ علی تم انھیں چھاتی سے لگانا | کہنا کہ کہا ماں نے ہے دریا پہ نہ جانا
حکم آپ کا ان دونوں نے گر مانا تو مانا | ورنہ ہے تمھیں میری قسم آنکھ دکھانا
کہنا جو پیا پانی ہمیشہ نہ جیو گے
ماں دودھ نہ بخشے گی جو تم پانی پیو گے

اے لاڈلو پانی سے جو تم نے کیے لب تر | دھیان اس کا رہے بھائی کو گزرے گا نقر
گر آج کو پانی پہ پہنچتا علی اکبرؑ | بن آئے بہن بھائی کے پیتا نہ وہ دلبر
سوچو تو ذرا دل میں یہ انصاف کی جا ہے
بدنام ہو پانی جو پیا خاک مزا ہے

اس شرط سے بہتر ہے کہ تم نہر پہ جاؤ | جو پانی کو تم ہونٹ سے مطلق نہ لگاؤ
مشکیزہ بھرو پانی سے لے ڈیرے پہ آؤ | اور لا کے سکینہؑ کو اور اصغرؑ کو پلاؤ
پھر سامنے بھائی کے مری قدر بڑی ہو
ہو گو کسی کی بھی نہ عزت جو مری ہو

اور نکلے سخن یہ دہن خلق خدا سے | کہتا ہوا زینبؑ کا ہر اک ماہ لقا سے
آخر کو وہ تھے ساقی کوثرؑ کے نواسے | دریا پہ گئے پانی ملا اور رہے پیاسے
پانی جو ملا شاہ کی دختر کو پلایا!
باقرؑ کو پلایا علی اصغرؑ کو پلایا!

اے لاڈلو ہے آج کی یہ پیاس تو آساں | پر ہوئے گا جس روز عیاں حشر کا ساماں
خورشید فلک ہوئے گا سوا نیزے پہ اس آن | مچھلی کی طرح تڑپیں گے اُس روز سب انسان
ہاں پانی اگر تم نے پیا تشنہ لبی سے
گر جاؤ گے اشکوں کی طرح چشم نبیؐ سے

جو جو کہ یہاں تشنہ دہن ہوویں گے بے سر | سب ہونگے کھڑے ساقیٔ کوثر کے برابر
اور پیاس ہو گی قبضے ہی میں ہو گا وہاں کوثر | دلویں گے علی ساغر کوثر انھیں بھر بھر
ہر ایک کہیگا وہاں حیدر سے نبیؐ سے
گھبرائے تھے زینبؑ کے پسر تشنہ لبی سے

شرمائیگی واں بابا سے اماں یہ تمھاری | اور ماں کے حضور آنکھ مری ہوگی دو چاری
اس امر کے ڈر سے یہ بیتاب ہے ساری | یاں پانی نہ پی لیجیو اماں جو ہے پیاری
وہ کام کرو جو نہ حجاب آئے کسی سے
محشر میں مری آنکھ نہ شرمائے کسی سے

زینبؑ کے جو منہ سے سنی تقریر یہ ساری | عباسؑ دلاور پہ ہوئی شدت زاری
کی عرض کہ تم حضرت زہرا کی ہو پیاری | کب بھول وہ سکتے ہیں بھلا بات تمھاری
اس درجہ سمجھ والے ہیں فرزند تمھارے
پانی نہ پئیں گے کبھی دلبند تمھارے

ہر چند یقیں ہے کہ پئیں گے نہ وہ پانی
کیسی ہی اگر ہوگی انہیں تشنہ دہانی
دشوار ہے یہ بات زباں پہ مری آنی
اے بھائی جو کیجیو تعب تشنہ دہانی

میں تو نہ گیا اور انہیں میدان میں بھیجا
اب دل بھی کیونکر میں کروں سخت کلیجا

زینب نے کہا بھائی یہ کیا کرتے ہو گفتار
صدقے کروں تم پر یہ ہوں اگر سو مرے دلدار
تم شاہ کے بازو ہو پسر حیدر کرار
حیدر کے کلیجے ہو تم اور بھائی کے غمخوار

سب کام ہوں، آئیں جو یہ کام آپ کے بھائی
فرزند تو میرے ہیں غلام آپ کے بھائی

یہ سن کے چلے اُن سے جو عباس دلاور
پہونچے وہاں جس جا تھے کھڑے دونوں دلبر
دیکھا تو عجب شان سے لڑتے ہیں وہ صفدر
افراط جراحت سے ہیں تن چور سراسر

اعدا سے لب نہر تو سب چھین لیا ہے
نے آپ پیا پانی نہ گھوڑے نے پیا ہے

مرثیہ نمبر ۳۳

شہادت حضرت عون و محمد

زینب کے ہوا خوش کے پالے آئے
دونوں کمسن شاہ سے ہتھیار سنبھالے آئے
گھوڑے چمکاتے ہوئے ہلاتے بھالے آئے
قتل کرنے کو سواروں کے رسالے آئے

جا پڑے شیر چمکتی ہوئی تلواروں میں
گھر گئے دونوں جری لاکھ ستمگاروں میں

ناگہاں فوج سے یاسون ہوئی بارش تیر
اور چمکنے لگی ہر ایک لعیں کی شمشیر
چھوٹے سے نیچوں کو کھینچ کے وہ ماہ منیر
مسکرا کر لگے آپس میں کرنے تقریر

زخم شمشیر و سناں جسم پہ سہنا بھائی
سائے کی طرح مگر ساتھ ہی رہنا بھائی

کہیں ایسا نہ ہو ہم ہوں کہیں اور تم ہو کہیں
یوں اگر مارے بھی جائیں گے تو کچھ لطف نہیں
ایک ہی جا پہ گریں گھوڑوں سے بالا زمیں
ہے یہ لازم کہ ہم مرگ بھی ہم ہوں قریں

ساتھ ہی خلد کو دنیا سے سفر کر جائیں
خدمت احمد و زہرا میں برابر جائیں

کہہ کے یہ دونوں نے رانوں میں دبایا گھوڑے لیکے نام اسداللہ اڑائے گھوڑے
لاکھ اسواروں سے بھی رُک نہ پائے گھوڑے شیر کی طرح چلے علا میں در آئے گھوڑے

قہر نازل ہوا خالق کا جفا کاروں پر
بجلیاں گرنے لگیں رنمیں ستمگاروں پر

یوں ہی لڑتے رہے تا دیر وہ نیک صفات گل سے لب ہو گئے خشک آنے لگے غش ہیہات
چھوٹے بھائی نے کہی چیکے سے بھائی سے یہ بات ہم تو اب تھک گئے ہیں اے بھائی چلو سوئے فرات

مدد خالق اکبر سے فقط لڑتے ہیں
پیاس ایسی ہے کہ گھوڑے سے گرے پڑتے ہیں

آگ سی بھڑکی ہے جلتا ہے کلیجہ بھائی اب تو لڑنے کی بھی اصلا نہیں طاقت بھائی
شل ہوئے دکھنے لگا پہنچا بھائی شانے بھی شل ہوئے دکھنے لگا پہنچا بھائی نہر کیسی قریب ہیں نزدیک ہے دریا بھائی

پانی پینے کا تو توبہ جو ذرا دھیان آجائے
ہاتھ منہ دھو لیں ذرا جل کے تو جان آجائے

تب بڑے بھائی نے تسک آنکھوں میں بھر کر یہ کہا ذکر پانی کا سنا نہیں تم کو بھیّا
تشنگی پر شہ بیکس کی کرو غور ذرا تین دن سے انھیں قطرہ نہیں پانی کا ملا

دل بھر آتا ہے اور چھاتی پھٹی جاتی ہے
تشنگی اصغر معصوم کی یاد آتی ہے

پیاس سے پانی سکینہ بھی ہے مرنے کے قریں
دیکھ کر غش ہیں آ کے رہتے ہیں ہر دم نہر دیں
جائیں دریا پہ تو ہوں ولارہ فنا غمگیں
دو دو دم ہم کو جو نہ بخشیں تو یہ کچھ دور نہیں

میں تری پیاس کے قرباں ارے پیارے بھائی
پانی اب بھیجو کوثر کے کنارے بھائی

کہہ کے یہ دونوں نے حملہ کیا پھر صورت شیر
جس جگہ مورچے تھے کر دیا لاشوں کا ڈھیر
شدت تشنگی سے آنکھوں میں دُنیا اندھیر
سر بسر جسم پہ تھے زخم سنان و شمشیر

بحر خوں پیاسوں کے زخموں سے بہا جاتا تھا
ضُعف ہوتا تھا سو از در گھٹا جاتا تھا

کہاں دو طفل صغیر اور کہاں لاکھ عدو
لڑے اس طرح کہ شل ہو گئے دونوں بازو
برچھیاں ماریں لعینوں نے جو پا کر قابو
ڈگمگانے لگے رہواروں پہ وہ تشنہ گلو

مثل گل ڈوب گئے خون میں جامے ان کے
مُنہ پہ سہرے ہوئے کٹ کٹ کے عمامے ان کے

ضعف سے ہر نے پہ جُھک جُھک کے جو سنبھلے کئی بار
غُل مچانے لگے میدان میں تب ظلم شعار
لو مُبارک ہو کہ مارے گئے یہ سینہ فگار
گرتے ہیں گھوڑوں سے حضرت کی بہن کے دلدار

ٹکڑے ٹکڑے ہیں بدن زخم بہت کھائے ہیں
پاؤں دونوں کے رکابوں سے نکل آئے ہیں

پہنچی گوشِ شہِ مظلوم میں جس دم یہ صدا   سر لگے پیٹنے گھبرا کے امامِ دوسرا
رو کے چلائے کہ افسوس بڑا قہر ہوا   ہے غضب ہو گئے دو ذبح مرے مجھ سے جدا

آس تھی زینبؑ دلگیر کو ان بیٹوں کی!
ہائے اب جوتی ہے خواہر مری ان بیٹوں کی

یہ بیاں کر کے لگے رونے شہنشاہ حجاز   پہنچی خیمے میں بھی فریاد و فغاں کی آواز
کر گیا رنگِ رخ زینبِ بے کس پرواز   جا کے ڈیوڑھی پہ پکاری وہ بصد عجز و نیاز

کیا غضب ہو گیا جو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں
میں مری جاتی ہوں صدقے گئی کیوں روتے ہیں

دی یہ حضرت نے صدا تھام کے ہاتھوں سے جگر   چار آنکھیں مری تم سے نہیں ہوتیں خواہر
اہل کیں رنج میں یہ غل کرتے ہیں خوش ہو ہو کر   ٹکڑے تیغوں سے ہوئے زینبِ بیکس کے پسر

نہیں معلوم وہ نرغے میں کہاں ہیں بھینا
بھانجے آنکھوں سے ماموں کی نہاں ہیں بھینا

ابھی زینبؑ سے یہ کہتے تھے شہ کرب و بلا   اور کھڑی ہاتھوں سے سر پیٹتی تھی وہ دکھیا
اتنے میں بھانجوں کی آئی یہ حضرت کو صدا   لو غلاموں کی خبر اے خلفِ شیرِ خدا

تن سے ہم دونوں کے سر کٹنے کی تیاری ہے
اے مددگار جہاں وقت مددگاری ہے

یہ صدا سنتے ہی دوڑے پے گرے زخمی دیں
نہ فلک کو مجھتا تھا اور آنکھوں سے زمیں
گئے میاں سے تیغ جو بی بھت کو آگے سے لعیں
خون میں غلطاں نظر آئے ایسے شہ دیں
خاک پر گر کے بصد درد پکارے شبیر
ہائے اے بھانجوں قربان تمہارے شبیر
کبھی گھبرا کے محمد کے قریں جاتے تھے
عون کے پاس کبھی روتے ہوئے آتے تھے
خون بھری زلفیں کبھی چہرے سے سرکاتے تھے
زخمی بازو کو ہلا کر کبھی چونکاتے تھے
کبھی چلاتے تھے کیوں غم میں ہو تسلیم کرو
اٹھو اے بھانجو ہم آئے ہیں تعظیم کرو
سنکے ماموں کی صدا ہوش میں دونوں آئے
دیکھ کر شاہ کا منہ قدموں پہ سر کو جھکائے
بھر کے اشک آنکھوں میں یہ بات زباں پر لائے
شکر صد شکر کہ حق نے یہ قدم دکھلائے
کوئی حسرت نہ رہی اے شہ ذیشاں ہم کو
ماں سے ملنے کا فقط رہ گیا ارماں ہم کو
کہہ کے یہ حسرت دل مر گئے وہ تشنہ گلو
آئے رخساروں تلک آنکھوں سے ڈھلک کر آنسو
قبضے ہاتھوں سے چھٹے بہنے لگا تن سے لہو
رہ گئے خاک پہ بل کھا کے وہ پرخوں پہلو
شاہ چلانے لگے ہائے یہ کیا کرتے ہو
ماموں صدقے ہو کہ ماموں کیلئے مرتے ہو

مرثیہ نمبر ۳۴

شہادت حضرت عون و محمد

اُمّت پہ پسر اپنے فدا کرتی ہے زینبؑ | سینے سے دل و جاں کو جدا کرتی ہے زینبؑ
چھٹتے ہیں پسر یادِ خدا کرتی ہے زینبؑ | جو صبر کا حق ہے وہ ادا کرتی ہے زینبؑ
گھوڑوں پہ جو دو نوگلِ ارمان چڑھے ہیں
کہتی ہے کہ بیٹے مرے پروان چڑھے ہیں

شہ کہتے تھے ہمشیر یہ کیا کرتی ہو دیکھو | اکبر کو مرے بھیجو انھیں ان میں نہ بھیجو!
وہ کہتی ہے صدقے گئی تم اس میں نہ بولو | زینبؑ نے اسی دن کے لئے پالا تھا ان کو
تم تو انھیں زینبؑ نہیں سمجھتے ہو بھائی
پھر کس لئے ہمشیر سے شرماتے ہو بھائی

بھانجوں کا اکبرؑ کے نہ تم نام لو بھیا | اکبرؑ کی بلا ان کو لگے وہ رہے جیتا
اوّل تو وہ ہمشکلِ نبیؐ حسن میں یکتا | اور دوسرے زینبؑ کو ہے بچپن کی تمنا
آسان مجھے بیٹوں کا داغ اے شہِ دیں ہے
ان میں کوئی اٹھارہ برس کا تو نہیں ہے

بچپن میں پلاتی تھی انھیں دودھ کی جو دھار | کہتی تھی کہ اس دودھ کا یہ حق ہے خبردار
ہو جائیو اک روز فدائے شہ ابرار | یہ ہونٹ ہلا دیتے تھے اور کرتے تھے اقرار
ہر چند کہ چھوٹا ابھی ان دونوں کا سن ہے
پر کیا کروں بھائی کہ یہی صدقے کا دن ہے

یہ کہتی تھی کچھ دھیان میں زینب کے جو آیا | پھر اپنے جگر گوشوں کو خیمہ میں بلایا!
آئے جو پسر بیچ میں اکبر کو بٹھایا | اور عون کو گرد ان کے کئی بار پھرایا
باقی جو محمد تھا یہ رتبہ دیا اُس کو
گہوارۂ اصغر پہ تصدق کیا اُس کو

بیٹوں کو بھتیجوں پہ فدا کرچکی جس آن | مادر ہی کا تو دل ہے کہ ہو غم سے پریشاں
بولی کہ سدھارو واسداللہ نگہباں | تم اکبر و اصغر پہ فدا تم پہ میں قرباں
گلگشت گلستان شہادت ہو مبارک
کوثر ہو مبارک تمھیں جنت ہو مبارک

پھر شاہ کے مجرے کو جھکے دونوں خوش خو | کیا عشق برادر تھا کہا شاہ سے رو رو
زندہ ہیں ابھی پھر انھیں چھاتی سے لگا لو | مرنے پہ تو وسواس بہت آئیگا لوگو
لاش انکی برادر کو اُٹھانے نہیں دونگی
مردوں کو کلیجہ سے لگانے نہیں دونگی

یہ اکبرؑ و اصغرؑ کے عوض مرنے ہیں جاتے | ہے قسم کہ صدقہ کو نہیں ہاتھ لگاتے
ہاں صدقے گئی بن کے یہ دولھا اگر آتے | تم شوق سے بیٹوں کو مرے خیمے میں لاتے
مر جائیں تو مقتل ہی میں چھوڑ آئیو بھائی
لاشوں کو مرے گھر میں نہ تم لائیو بھائی

گھوڑوں پہ غرض عون و محمدؑ ہوئے اسوار | تھی فاطمہؑ کی روح نواسوں کی جلودار
میدان میں وہ شیر جو وارد ہوئے اک بار | لشکر میں ہوا شور کہ ہشیار! ہو ہشیار
ہیں نیمچے ہاتھوں میں لیے برق کی طرح سے
دو لڑکے چلے آتے ہیں شیروں کی طرح سے

لشکر کی صفیں چیر کے دریا پہ چلے آئے | لہراتے ہوئے دیکھ کے پانی کو کہا ہائے
کیوں مشک سکینہؑ کی نہ کاندھے پہ اٹھا لائے | کر سکتے ہیں جو مشک کو ہم خیمے سے جائے
ہاتف نے ندا دی کہ عبث رنج و قلق ہے
سقائی سکینہؑ کی تو عباسؑ کا حق ہے

زینبؑ نے در خیمہ سے یاں ان کو جو دیکھا | پایا نہ کہیں بیٹوں کو گھبرائی وہ دکھیا
فضہؑ سے کہا بیٹے مرے قید ہوئے کیا | وہ بولی کہ کچھ سنئے کہ کیا کہتے ہیں اعدا
لشکر کی صفیں چیر کے دو روز کے پیاسے
دریا پہ گئے ساقیٔ کوثر کے نواسے

زینب نے کہا کیوں گئے دریا پہ غرض کیا | پی لیں کہیں جو پانی تو غضب اور ہی ہوگا
بھائی ہے مرا تین شب و روز کا پیاسا | فضہ انھیں آواز دے دھیان ہے بیجا

اِک بوند بھی پانی کی اگر پی تو ستم ہے
اک دھار میں دودھ کی بخشوں گی قسم ہے

گر پی لیا پانی تو بس اب گھر میں نہ آنا | اب شکل کبھی مجھکو نہ دکھانا نہ دکھانا
زہرا کبھی مرے بھائی کی خاطر نہ گھٹانا | راحت کے عوض یہ بھی نہ تم صدمہ اٹھانا

مر جاؤ گے تم گود میں لاشوں کو نہ لونگی
ماموں تمھیں روئیں گے تو میں بھی نہ رونگی

فضہ ہوئی خیمے سے رواں جانب میداں | کیا دیکھتی ہے نہر پہ ہے فوج فراواں
زینب کے جگر گوشوں پہ ہے ترک کمانداں | ناگاہ ہوا شور کہ مشکل ہوئی آساں

لو جان و دل دختر زہرا گئے مارے
دو روز کے پیاسے لب دریا گئے مارے

جس وقت یہ ماتم کی خبر شاہ نے پائی | روتے ہوئے گھوڑے پہ چڑھے تاب نہ آئی
عباس سے گھبرا کے کہا کیا کروں بھائی | لو ظالموں نے لوٹ لی خواہر کی کمائی

یہ بھانجوں کا داغ نہیں مجھکو دیا ہے
اکبر کو اور اصغر کو مرے قتل کیا ہے

لاشوں کو اٹھانے کو چلے سیّد ذیجاہ | عباسؑ اور اکبرؑ بھی ہوئے شاہ کے ہمراہ
رو کر کہا زینبؑ نے نہ لائیں انھیں یاں شاہ | میری تو نہ مرضی تھی گئے نہر پہ کیوں آہ
گر پی لیا بن آپ کے پانی تو غضب ہے
مُنہ ان کے نہ دیکھوں گی ارادہ یہی اب ہے

رَن میں جو گئے شاہ تڑپتا انھیں پایا | اک لاش کو خود ایک کو اکبرؑ نے اٹھایا
جب دونوں کو لا کر صفِ ماتم پہ لٹایا | زینبؑ کو بلا کر شہِ دیں نے یہ سُنایا
تھا عشق انھیں فاطمہ زہرا کے خلف سے
پیاسے گئے پیاسے پھرے دریا کی طرف سے

وہ بولی میں صدقے گئی سچ کہتے ہو یہ بات | لو بھائی بھلا سر پہ تو زینب کے رکھو ہاتھ
کھاؤ تو قسم فاطمہ کی اے شہِ خوش ذات | دریا کے کنارے تو گئے تھے یہ خوش اوقات
کس طرح سے حیدرؑ کے نواسے لڑے دونوں
زہراؑ کی صدا آئی کہ پیاسے لڑے دونوں

اس وقت یہ زینبؑ نے کہا اے مرے دلبر | کچھ کہتے ہو لو کہہ لو کہ اب موت ہے سر پر
وہ بات کہی جس کے سبب دونوں نے برابر | جس بات کو سُنتے ہی تڑپنے لگی مادر
اے وا حسینا یہی چلاتی تھی زینبؑ
سب پوچھتے تھے اور نہ بتلاتی تھی زینبؑ

اے بی بیو یہ کہتے تھے شبیر کے شیدا
جب زین سے گرے ہم تو وہاں آئی تھیں زہرا
روتی تھیں یہیں اور یہ کہتی تھیں دکھیا
شبیر کو زندہ نہیں چھوڑیں گے یہ اعدا
یہ کرتے ہیں تاکید وہ مجھ خستہ جگر سے
اب جانے نہ دینا شہ مظلوم کو گھر سے

پھر دیکھا جو زینب نے تو پایا انھیں بے دم
کرنے لگی یہ بین وہ مخدومۂ عالم
میں خوش ہوئی اب تم سے ہو خوش خالق اکرم
واری گئی لو بخشدیا دودھ بھی اسدم
قربان میں اے حیدر صفدر کے نواسو
ہے ہے مرے پیاسو مرے پیاسو مرے پیاسو

مرثیہ نمبر ۳

شہادت حضرت قاسمؑ

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابنِ حسنؑ کو — اک عید ہوئی مرنے کی اُس غنچہ دہن کو
حیدرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو — اعدا نے کہا دیکھ کے اس شکلِ حسن کو
نورِ حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسد اللہ یہ جواں ہے

اتنے میں رجز پڑھنے لگا قاسمِ نوشاہ — آگاہ ہو! آگاہ ہو! آگاہ ہو آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ — عموؑ ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ سیدِ ذیجاہ
میں لختِ دلِ فاطمہؑ کا لختِ جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اس کا پسر ہوں

سب جانتے ہیں پنجتنِ پاک کا رتبہ — آدم سے کیا پہلے خدا نے انھیں پیدا
کی شیرِ خدا نے مددِ حضرتِ موسیٰ — تھا طور پہ بھی نورِ محمدؐ ہی کا جلوہ
کام آتے ہیں ہر دکھ میں یہ ہے کام ہمارا
آفت سے چھٹا جس نے لیا نام ہمارا

جانِ دلِ زہرا کے عبث تڑپے جاں ہو	کس سمت کو بہکے ہوئے بے تیرِ تو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحفِ ناطق کی زباں ہو	سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو

ہیں سینکڑوں تحقیق علم اک جان کی خاطر
دُنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر!

سیّد نے جو کی ہو کوئی تقصیر بتادو	جوڑا ہو کماں میں جو کوئی تیر بتادو
چھینی ہو کسی شخص کی جاگیر بتادو	اُمّت پہ اگر کھینچی ہو شمشیر بتادو

تم لوگوں نے کس روز نہیں جبر کیا ہے
اِس صابر و شاکر نے سدا صبر کیا ہے

یہ سُنتے ہی فوجوں کو جو جنبش ہوئی اکبار	تیغوں کی اٹھی موج میانِ صفِ کفّار
ڈھالوں کا ہُوا ابرِ سیاہ رَن میں نمودار	بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار

پہنچا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمّتِ عالی	حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہوگئی خالی
تلوار نے آدھی صفِ کفّار میں ڈالی	لڑنے کیلئے تیغ و جس نے سنبھالی

تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر صفِ زیں پر

پر شادی و غم میں ابھی دنیا میں تو ہم — معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ ظلم — تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں باہم
تیر آتے تھے سینے پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

عمّوؑ کو پکارے کہ چچا جان خبر لو — ہوتا ہے غلام آپ کا قربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو — تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو!
ذُرّیتِ حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی — مُنھ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سُنائی — میں ساغرِ کوثر کو ترے واسطے لائی
پی لے اسے اے لال کہ تر خشک زباں ہو
دادی ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں کے فدا ہو

لب بند کئے قاسمِ نوشاہ نے اک بار — یعنی نہ پیوں گا کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
دُنیا سے سفر کر گیا وہ آئینۂ رُخسار — لاش اُس کی چلے لے کے شہِ بیکس و ناچار
ڈیوڑھی پہ جب پہنچے تو کہا دیکھ کے سب نے
وہ آئے ہیں دولھا تھا بنایا جنھیں سب نے

بانوؑ نے کہا لُٹ گئی لوگو مری دُختر! ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور جو در پر
سر پیٹتی دوڑی شہِ مظلوم کی خواہر فرزند کے لاشے سے لپٹنے لگی مادر

پھر کون رہے بنتِ علیؑ جب نکل آئے
خیمے میں دولھن رہ گئی اور سب نکل آئے

maablib.org

مرثیہ نمبر ۳۶

شہادت حضرت قاسمؑ

رن میں باندھے ہوئے سہرے کو جو آئے قاسمؑ | تھے کفن بیاہ کے جوڑے کو بنائے قاسمؑ
فوج اعدا ہوئی مصروف ستائے قاسمؑ | وارثِ شانِ حسن تشریف ہیں لائے قاسمؑ
اِک براتی کو بھی ہمراہ نہیں لائے ہیں
لشکرِ حسن جلو میں یہ لئے آئے ہیں

اس نے پھل باغِ جوانی کا نہیں پایا ہے | اپنے عمو پہ فدا ہونے کو یہ آیا ہے
صدمہ تو فلکِ پیر نے دکھلایا ہے | شدتِ تشنہ دہانی سے بھی گھبرایا ہے
یہ اگر قتل ہوا روحِ حسن روئے گی
کیسی بیتاب ہو گھونگھٹ میں دولہن ہوئیگی

کوئی بولا کہ ترس کی یہی جا ہے واللہ | رات کو خیمۂ شبیرؑ میں تھا اس کا بیاہ
دن کو مرنے کے لئے آیا ہے یہ غیرتِ ماہ | کس طرح قتل کریں دولھا کو ہم وا ویلا
تیغِ ظالم سے اگر اس کا جدا سر ہو گا
شہ کی بیٹی کو نہ رنڈسالہ میسر ہو گا

گوش زد جب پسرِ سعد کے یہ حرف ہوا ! | شمرِ لعیں سے کہنے لگا فوج میں کیا ہے چرچا !
جنگِ قاسمؑ سے ہر اک حیف ہوا اولاد پھرا | دیکھئے اس کو طمعِ زر مری جانب لے آ !

بغض اکبرؑ سے ہے نہ قاسمؑ دلگیر سے ہے
کام ہم کو تو فقط اک سرِ شبیرؑ سے ہے

شمرِ ملعون لعیں طرفِ قاسمؑ نوشاہ چلا | اور بصد عجز یہ نوشہ سے ہوا وہ گویا
تم ہو اے ابنِ حسنؑ ہم نہیں کرنے کے جفا | آؤ لشکر میں ہمارے نہ کرو خوف ذرا

ہاتھ عمو کی رفاقت سے اٹھاؤ قاسمؑ
منتظر ہم ہیں کھڑے سب ادھر آؤ قاسمؑ

یہ بیاں شمرِ ستمگر نے جو قاسمؑ سے کیا | بدنِ قاسمؑ نوشاہ حزیں کانپ گیا
اور یہ فرمایا کہ اے شمرِ لعیں تو کہتا ہے یہ کیا | مجھ کو شبیرؑ کی خدمت سے تو کرتا ہے جدا

مضطرب کیا دلِ غمدیدہ مرا ہوتا ہے
کہیں سایہ بھی بھلا تن سے جدا ہوتا ہے

کہہ کے یہ سہرے کی لڑیوں کو لپیٹا اک بار | تیغ کو کھینچ کے حملہ کیا سوئے کفار
صورتِ برقِ شرربار جو چمکی تلوار | ہو گئی خاک سیہ جل کے صفِ بدکردار

منھ سوئے خیمہ جو نوشاہ پھرا دیتے تھے
بارک اللہ کی شبیرؑ صدا دیتے تھے

مرحبا کہتے تھے جس وقت وہ امام ابن امام | جھک کے تب ابن حسنؑ عمو کو کرتے تھے سلام
اور لب خشک دکھا کر یہی کرتے تھے کلام | اے چچا پیاس کیئے دیتی ہے قاسم کو تمام

شاہ کہتے تھے کہ ممکن نہیں جانی پانی
آج سب خورد و کلاں کرتے ہیں پانی پانی

ناگہاں حرگرنے مجرا بے قاسمؑ کو کیا | پھل ملا باغ شہادت سے اُسے نیزہ کا
لشکر ظلم میں اُس دم یہ ہوا غل برپا | رانڈ ہو دکھیا زن بیوہ کا پسر قتل ہوا

فاطمہؑ روئیں حسن خلد میں ناشاد ہوئے
رات کی بیاہی کے ارمان بھی برباد ہوئے

یہ صدا سنکے لگے رونے شہنشاہ زمن | اور سر پیٹتی تھی خیمہ میں اک شب کی دلہن
کہتی تھی زینبؑ ناشاد سے رو کر یہ سخن | پھوپھی اماں مجھے اسدم ہے بڑا رنج و محن

جان گویا کہ ہے گھبرا کے نکلتی اسدم
ایک برچھی سی کلیجہ یہ ہے چلتی اسدم

خیمہ شاہ میں تھا غلغلۂ شیون و شین | چلے سر کھولے ہوئے لاشہ قاسمؑ یہ حسینؑ
یہ ہوئے جب لاشہ قاسمؑ یہ امام کونین | دیکھا کیا خاک پہ ہے لوٹتا وہ نور العین

رو کے چلائے کہ دو روز کے پیاسے دولہا
اٹھ کے ملو بغلگیر ہو مظلوم چچا سے دولہا

بند کر آنکھوں کو جو قاسمؑ نے کہا اے شہِ دیں
یہ بتا دیجئے ہمراہ سکینہ تو نہیں
نیگ اب مانگے گی مجھ سے جو وہ ہو کر غمگیں
شرم آئے گی مجھے روح بھی ہو گی حزیں

شاہ بولے وہ نہیں ساتھ ہمارے بیٹا
فاطمہؑ روتی ہے لاشہ پہ تمہارے بیٹا

بار کو تو شاہ نے اُس دم کھولا
قدم سرورِ کونین پہ رکھوا ماتھا
پھر نشاں نعلوں کے دکھلا کے چچا سے یہ کہا
آپ اس جسم کا لیتے تھے اکثر بوسا

تیر سے پہلے یہ تن خانۂ زنبور کیا
گھوڑوں کی ٹاپوں سے پھر سارا بدن چور کیا

شہؑ نے بوسہ دیا ہر عضوِ بدن کے اوپر
اور کہا وقتِ وصیت ہے یہ لے نورِ نظر
تب یہ قاسمؑ نے کہا سبطِ نبی سے رو کر
مجھ پہ حق بانوئے بیکس کا بہت ہے سرور

اس طرح آپ سے حال یہ احساں کرنا
اُن کے اکبرؑ پہ مری لاش کو قرباں کرنا

شہِ مظلوم کو اب ضبط کا یارا نہ رہا
اور کہا تم پہ میں صدقے جو کہا تم نے کیا
چاہتی ہے تمہیں اکبر کی طرح وہ دکھیا
اُس کی اک آنکھ ہو تم ایک ہے اکبر بیٹا

بیٹھ کر سینہ و سر تیرے لئے روتی ہے
جان کو کھوتی ہے اور تم پہ فدا ہوتی ہے

سُن کے یہ گلشن جنت کو سدھارے نوشاہ   لاش کو لیکے چلے خیمہ کی جانب وہ شاہ
تھا درِ خیمہ پہ فرزندِ حسن عبداللہ   اُس نے چلّا کے کہا ماںؑ سے بصد نالہ و آہ

عرش پر دادی کے رونے کی صدا جاتی ہے
رن سے لوٹی ہوئی قاسمؑ کی برات آتی ہے

خیمۂ شاہ میں جس وقت گئی یہ خبر   لاتے ہیں لاشۂ قاسمؑ کو شہِ جن و بشر
سر سے اوڑھنی گھبرا کے اُتاری رو کر!   دے کے فضہؑ کو لگی کہنے یہ بادیدۂ تر

دھوپ سے لاشۂ قاسمؑ کو بچا لے فضہؑ
تو یہ چادر تنِ زخمی پہ اُڑھا لے فضہؑ

آئے روتے ہوئے خیمہ میں امامِ دوسرا   اور مسند پہ رکھا ابنِ حسنؑ کا لاشا
لاش کی سمت سے دلہن نے لیا مُنھ کو پھرا   کچھ تو شرم آئی اُسے اور ہوا کچھ جوشِ بُکا

غم تھا ایسا کہ ہر اک رو رو کے جان دیتا تھا
گود میں لاشۂ فرزندِ حسنؑ لیتا تھا

مرثیہ نمبر ۲

شہادت حضرت قاسمؑ

گھوڑے سے جبکہ قاسم گلگوں قبا گرا
غل پڑ گیا نبیرۂ مشکل کشا گرا
صفدر جری بہادر و شیر وغا گرا
خوں میں نہا کے لخت دل مجتبےٰ گرا
گرتے ہی فوج ظلم کا مجمع بہم ہوا
زخمی پر آہ نرغۂ فوج ستم ہوا

مارا کسی نے پشت پہ نیزے کو تان کے
کھٹکی سنانِ ظلم کلیجہ میں آن کے
کوئی تبر لگا گیا مظلوم جان کے
تیغ کسی کا چل گیا سر پر جوان کے
پہلو بھی دونوں ہاتھ بھی یکسر فگار تھے
دولھا کا ایک جسم تھا زخم بے ہزار تھے

حضرت کو دی صدا کہ چچا جان آیئے
خادم ہوا حضور پہ قربان آیئے
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان آیئے
سر کٹنے کا ہوتا ہے سامان آیئے
جلاد دیکھئے تیغ دو پیکر لئے ہوئے
قاتل کھڑے ہیں ہاتھوں میں خنجر لئے ہوئے

دم توڑنے لگا جو یہ کہکر وہ دلفگار طبل ظفر بجا صف اعدا میں ایکبار
دوڑے لے دکھ تیغ بکف شاہ نامدار گھوڑوں سے روندنے لگے لشکر کو وار
سب ٹکڑے ٹکڑے سینۂ پُرنور ہو گیا
ٹاپوں سے مرکبوں کے بدن چور ہو گیا

پہونچے حسینؑ لاش پہ جب دم بجسم تھا اٹکا ہوا تھا آنکھوں میں ابن حسنؑ کا دم
سر اپنا بیٹھ کر یہ پکارے شہ اُمم قاسمؑ اٹھو کہ آئے ہیں ملنے کو تم سے ہم
موڑو نہ آنکھ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
باتیں تو کچھ کرو دم آخر حسینؑ سے

کیا بولتے کہ موت نے تھا بے خبر کیا سیدھی نہ آنکھ کی نہ مُنھ اپنا اُدھر کیا
ہچکی کے دم نے تہہ و بالا جگر کیا بس مُسکرا کے باغِ جہاں سے سفر کیا
حضرت چلے اُٹھا کے تنِ پاش پاش کو
کاندھا دیا چچا نے بھتیجے کی لاش کو

مقتل سے لاش آئی صورت کہوں میں کیا چادر لپیٹ دی تھی کہ ٹکڑے تھے سب جدا
قطرے لہو کے خاک پہ گرتے تھے جابجا گردن ڈھلی ہوئی تھی لٹکتے تھے دست و پا
عباسؑ روتے آتے تھے اور سر پہ ہاتھ تھا
زخمی فرس بھی دولھا کی لاشہ کے ساتھ تھا

نزدیک رہ گیا جو در خیمۂ حرم
اکبر وہاں بڑھ گئے آگے بچشمِ نم
ڈیوڑھی پہ راہ تکتی تھی زینب اسیرِ غم
پوچھا کہ روتے آئے ہو کیوں کیا ہوا ستم
کی عرض سوئے خلد حسن کا پسر گیا
شب کو جسے بنایا تھا دولہا وہ مر گیا

برپا ہو جب یہ حشر تو کیا آئے دل کو چین
غل تھا حرم کے بین کا لاشے کے جا بجا بین
تھے آنے آگے دولہا کی میت لئے حسین
پیچھے پیٹتی آتی تھی ماں ہائے نورِ عین
بیٹا سے شہید ہوئے کیونکر فوج شام سے
واری برات آتی کس دھوم دھام سے

منہ ڈھانپے رو رہی تھی جہاں غمزدہ دلہن
دولہا کی لاش گود میں لائے شہ زمن
جلدی اٹھا کے میت لختِ دل حسن
روتے ہوئے چلے گئے باہر بصد محن
ماں غش میں سر گری جد یا لاش پر
ماتم کا شور پڑ گیا دولہا کی لاش پر

گھونگھٹ الٹ کے چہرہ سے کھولا دلہن کا سر
منہ پر لگائے خاک کے بھاگے ادھر ادھر
پھینکا زمین پہ ہاتھ سے کنگنا اتار کر
ماتم پڑا جو گھر میں تو پھٹنے لگا جگر
امڈا یہ دل کہ اشکوں کا دریا بہا دیا
ماں نے سرہانے لاشے کے لا کر بٹھا دیا

چہرے پہ اپنے ڈال کے پھر گوشۂ ردا
کرنے لگی یہ بین دلہن غم کی مبتلا
دولھا مرے یہ شکل بنا لائے رن سے کیا
سر ٹکڑے ٹکڑے عضو بدن سب جدا جدا

کٹ کٹ گئی ہیں سہرے کی لڑیاں لڑائی میں
بدھی رہی گلے میں نہ کنگنا کلائی میں

تم تو خوشی خوشی ہوئے راہی سوئے عدم
یہ تازہ رانڈ رہ گئی رونے کو بے ستم
سبط نبیؐ کی گود میں نکلا تمہارا دم
اے ابن عم تباہ ہوئے جیتے ہیں ہم

منھ پیٹتی ہوں تم کو توجہ ادھر نہیں
آنکھیں پھرائے سوتے ہو کچھ بھی خبر نہیں

اے دلبر حسن نہیں تھما مرا جگر
خنجر کوئی پھراتا ہے رہ رہ کے قلب پر
غربت تمہاری بھولے گی مجھ کو نہ عمر بھر
تم بھی نہ بیکسی کو مری بھولنا مگر

الفت ہے کچھ تو جلد بلا لیجئے مجھے
پائین پا لحد کے سلا لیجئے مجھے

کس بات پر کنیز سے صاحب خفا ہوئے
مہر و وفا وہ کیا ہوئی کیوں بیوفا ہوئے
غربت میں فدیۂ پسر مصطفےٰ ہوئے
بیوہ ہوئے ہم آپ شہید جفا ہوئے

صاحب تو یہاں سے گنج شہیداں میں جائینگے
رسّی میں ہم بندھے ہوئے زنداں میں جائینگے

مرثیہ نمبر ۳۸

شہادت حضرت قاسمؑ

جب لاشۂ قاسمؑ پہ شہ بحر و بر آئے
چاک اپنا گریباں کئے ننگے سر آئے
نیزہ لئے ہمشکل نبیؐ نوحہ گر آئے
عباسؑ سنبھالے ہوئے تیغ و سپر آئے
دیکھا صفت شیر ستمگاروں کو تن کے
حملہ کیا قاتل پہ جگر بند حسنؑ کے

ایک تہلکہ برپا ہوا بھاگے جو بد افعال
گھوڑوں سے گل باغ حسنؑ ہو گیا پامال
دیکھا شہ مظلوم نے دولھا کا عجب حال
ٹاپوں کے نشاں سینۂ پُر نور پہ تھے لال
مُنھ زرد تھا زخموں کے دہن خوں سے بھرے تھے
مہندی لگے ہاتھوں کو کلیجہ پہ دھرے تھے

دم اُلٹا تھا آنکھوں میں کہ حضرت نے پکارا
مارے لئے جاتے ہیں جنھوں نے تجھے مارا
غنچہ کی طرح کرکے تبسم وہ دل آرا
بس گلشن جنت کے بسانے کو سدھارا
افسوس کہ بیاہے ہوئے اک شب کے مرے تھے
وہ ساتھ گئے دل میں جو ارمان بھرے تھے

یوں لاش کو فرزندِ حسنؑ نے اُٹھایا	ہاتھوں پہ کمر کو شہہِ بے پر نے اُٹھایا
سر خاک سے عباسؑ دلاور نے اُٹھایا	ٹکڑے جو الگ تھے انھیں اکبرؑ نے اُٹھایا

شبیرؑ کی عبا میں تنِ صد پاش کو لائے
یوں ڈیوڑھی پہ شاہِ شہداؑ لاش کو لائے

غل پڑ گیا آئی ہے قاسمؑ کی سواری	روتی صفِ ماتم سے اُٹھیں بیبیاں ساری
فق ہو گئی گھونگھٹ میں دلہن درد کی ماری	سر پیٹ کے فضہ در خیمہ سے پکاری

غفلت میں خبر کچھ نہیں ان کو سر و پا کی!
بند آنکھیں کئے سوتے ہیں گودی میں چچا کی

باہر گئے شہ لاش کو مسند پہ لٹا کر	ماں کھولے ہوئے گیسو گری خاک پہ آ کر
کبرا سے کہا بانو سکینہ نے یہ جا کر	لو آئے ہیں مقتل سے بنے خون میں نہا کر

تم دیکھو کہ ماتم کو حرم گرد کھڑے ہیں
وہ بیاہ کی مسند پہ جگر تھامے پڑے ہیں

یہ سن کے جگر ہل گیا منہ صبر نے موڑا	جھٹ سے یہ ملی خاک، عزا صبر کو توڑا
معلوم ہوا بر میں کفن بیاہ کا جوڑا	تکئے کو بھی سرکا دیا مسند کو بھی چھوڑا

دم گھٹنے لگا بی بیاں جب گھیر کے بیٹھیں
رونے کے لئے خاک پہ منہ پھیر کے بیٹھیں

ماں سے کہا اماں مجھے رونے کی رضا دو — کیا کہہ کے دلہن دولہا کو روتی ہے بتا دو
چادر کوئی اُجلی سی اگر ہو تو اڑھا دو — رانڈیں جو پہنتی ہیں وہ پوشاک پہنا دو
ماتم ہے بپا سینہ زنی چاہیئے مجھکو
اب سوگ میں کالی کفنی چاہیئے مجھکو

ماں نے کہا دل کھول کے رو لے مری دختر — بٹھلا دیا زینبؑ نے اُسے لاشے پہ لاکر
لٹکائے ہوئے چہرے پہ رنڈسالہ کی چادر — کرنے لگی یہ بین دلہن جھک کے قدم پر
ہے ہے کہیں تیغوں سے نہ وقفہ ہوا تم کو
کیا شکل بنا لائے ہو بنے کیا ہوا تم کو

دولہا بنے اس اجڑے ہوئے گھر کو تو دیکھو — ماتم میں بُرا حال ہے مادر کو تو دیکھو
منہ پیٹتی ہے شاہ کی خواہر کو تو دیکھو — اپنی نئی بیوہ کے کھُلے سر کو تو دیکھو
افشاں ہے نہ سہرا ہے نہ پوشاک ہے صاحب
بالوں پہ بھی چہرے پہ بھی اب خاک ہے صاحب

کس سے کہوں آہ مقدر کی بُرائی — تم مر گئے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
نوشاہ پہ میداں میں گھٹا غم کی تھی چھائی — لوٹا ہے مرا راج دُہائی ہے دُہائی
پیغام فراق آ کے اجل کہہ گئی صاحب
میں پیٹنے رونے کیلئے رہ گئی صاحب

صاحب مجھے رونے کیلئے بیاہ کے لائے — صاحب مجھے رنڈسالہ پہنانے کو ہو آئے
صاحب مجھے برباد کیا خون میں نہائے — صاحب کہو کیا رنج والم تم نے اٹھائے

کچھ بات کرو اب نہیں شرماؤنگی صاحب
لو کھول دو آنکھیں نہیں مرجاؤنگی صاحب

تقدیر نے کیسا یہ مجھے خواب دکھایا — یاں آنکھ جھپک کر جو کھلی تم کو نہ پایا
کیا بن گئی کچھ حال بھی آکر نہ سنایا — جانا تھا اِدھر گھر سے کہ لاشہ نظر آیا

جاگے تھے بہت خاک پہ دم توڑ کے سوئے
بیوہ کی خطا کیا ہے جو منہ موڑ کے سوئے

مرثیہ نمبر ۳۹

شہادت حضرت عباسؑ

جب لاشہ قاسمؑ کو علمدار نے دیکھا | قبضہ کی طرف غیظ سے جرار نے دیکھا
منہ بھائی کا رو کر شہ ابرارؑ نے دیکھا | کی عرض بڑا داغ نمکخوار نے دیکھا

تیغوں سے عجب سرو رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری | اشک آنکھوں سے بہنے لگے صفت ابر بہاری
گھبرا کے کہا شاہؑ نے کیوں کرتے ہو زاری | اچھا وہی ہوگا جو مرضی ہے تمہاری

آزردہ نہ ہو مجھ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں ہو خوش داغ تمہارا بھی سہیں گے

عباسؑ گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر | رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
بانوؑ نے کہا غش سے سکینہؑ کو جگا کر | صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر

اس طرح جو شاہ شہدا کہتے ہیں بی بی
سرور سے علمدارؑ جدا ہوتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی جلد وہ بے آس — اُودے ہوئے جاتے تھے لبِ لعل یہ تھی پیاس
زینب نے کہا آتی ہے لو عاشقِ عباسؑ — عباسؑ نے گودی میں لیا بڑھ کے بصد یاس

بہتے تھے جو آنسو خلفِ شیرِ خُدا کے
سوکھے ہوئے لب ملنے لگی مُنھ سے چپکے

عباسؑ نے رو کر کہا کیا چاہیئے جانی — شرما کے سکینہؑ نے یہ کی عرض کہ پانی
عباسؑ نے فرمایا بصد اشک فشانی — اللہ بجھائے گا تری تشنہ دہانی

لو گود سے اُترو تو ہم اب جائیں سکینہؑ
لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکینہؑ

یہ سنتے ہی اُس پیاسی میں اک جان سی آئی — فضہؑ گئی اور دوڑ کے مشکیزہ کو لائی
رو رو کے یہ کہنے لگی شبیرؑ کی جائی — میں تشنہ چلی آؤں گی گر دیر لگائی

جلد آؤں گا دریا سے یہ فرما کے سدھاؤ
جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھاؤ

یہ کہہ کے سکینہؑ نے جو دی مشک بصدِ غم — آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم — عباسؑ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم

یوں خیمے کے پردہ سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

لڑتا ہوا پہونچا لبِ دریا جو وہ جرّار　　تھا دوشِ مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار　　چھینٹا جو ذرا اُڑ کے گیا نہر پہ رہوار
دِل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسؑ خوش اطوار　　بھولی نہ مگر تشنگیِ سیّدِ ابرار
اُس وقت میں ہوا کبھی ہوتے تھے وفادار　　پانی سے اُٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمّت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے

یہ دیکھ کے عباسؑ کی آنکھیں ہوئیں پُرنم　　سیراب کیا مشک سکینہؑ کو بصد غم
منہ باندھ کے تسمے سے رکھا دوش پہ جس دم　　کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہبان ہے علَم کا
یارب میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا

دو لاکھ ستمگاروں نے جرّار کو گھیرا　　وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگ گئے تھے ان لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا　　یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
بڑھ بڑھ کے دعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

لکھا ہے کہ اک تھا بن ورقہ ستم آرا | تیغ اُس کی لگی دوشِ مبارک پہ قضارا
بے دست ہوا حیدرِ کرّار کا پیارا | احمد کا نشاں خون میں تر ہو گیا سارا
دیکھو تو ذرا جرأت سقّائے حرم کو
تا دیر کٹے ہاتھ سے چھوڑا نہ علَم کو

جس وقت گرا خاک پہ جھک کر علمِ شاہ | کس یاس سے عباسؑ علمدار نے کی آہ!
اُس دوش پہ بھی تیغ چلی پُشت سے ناگاہ | دونوں رہے بے دست، جگربند یداللہ
تیروں کی جو بوچھار ہوئی چھن گئے عباسؑ
بازو جو کٹے سروِ رواں بن گئے عباسؑ

گھبرا کے یہ کہتے تھے پسرِ شہِ ابرار | دریا کی ترائی ہے کدھر اے مرے غمخوار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار | غُل کیسا ہے کیا لاش کو گھیرے ہیں ستمگار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
سر کاٹ نہ لے کوئی مرے شیرِ ژیاں کا

اکبرؑ نے کہا رو کے ہے نزدیک ترائی | شبیرؑ پکارے مرے بھائی مرے بھائی
عباسؑ نے آوازِ حزیں اپنی سُنائی | گھبرائیں نہ مولا ابھی زندہ ہے فدائی
بازو ہیں جدا بہرِ سلام اُٹھ نہیں سکتا
تن چور ہے ایسا کہ سلام اُٹھ نہیں سکتا

شاہ شہداء لاش علمدار سے لپٹے | کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
غمخوار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے | زخمی سے مسافر سے مددگار سے لپٹے

یہ جوش تھا رقت کا شہ جن و بشر کو
جس طرح کہ روتا ہے کوئی باپ پسر کو

عباسؑ کے بھی آنکھوں سے آنسو ہوئے جاری | شہؑ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں کہ رکیں کھینچتی تھیں ساری | بولا نہ گیا کچھ یہ کہا ہے کئی باری!

بوسے قدم شاہ پہ دینے لگے عباسؑ
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

کیا دم کے نکلنے کا بھی ہے سکتہ جانکاہ | کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی کی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرف شاہ | بولے دم آخر کہ نثار شہ ذیجاہ

روتے رہے شاہ شہداء مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی

مرثیہ نمبر ۴۰

شہادت حضرت عباسؑ

جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے | مشکیزہ رکھا دوش پہ اُس بحرِ کرم نے
رو کر یہ برادر سے کہا شاہِ اُمم نے | بھائی تمہیں بیٹوں کی طرح پالا تھا ہم نے

مرنے کو نہ جاؤ کہ نشانی ہو علیؑ کی
توڑو نہ ضعیفی میں کمر سبطِ نبیؐ کی

تم قوتِ بازو ہو مرے جسم کی جاں ہو | لشکر کے علمدار ہو حیدر کے نشاں ہو
بہتر ہے کہ خنجر مری گردن پہ رواں ہو | مرنے کے تمہارے یہ نہیں دن کہ جواں ہو

اس غم میں کریں صبر یہ وہ غم نہیں بھائی
اوجھل ہوئے آنکھوں سے تو پھر ہم نہیں بھائی

عباس ہمیں چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ | میں درد رسیدہ ہوں گل داغ دکھاؤ
مشکیزہ رکھو کاندھے سے آنسو نہ بہاؤ | لو آؤ مری چھاتی سے چھاتی کو لگاؤ!

اندوہ یہ اندوہ ہیں غم ہوتے ہیں غم پر
دیکھو تو عجب عالم تنہائی ہے ہم پر

یہ سُن کے علمدار پہ رقت ہوئی طاری | سر شاہ کے قدموں پہ جھکایا کئی باری
کی عرض یہ آقا سے بصد گریہ وزاری | ان قدموں پہ حضرت کے فدا جان ہماری
بس کام کے کام آئے نہ گر آپ کے آگے
عزت ہو جو مر جائے غلام آپ کے آگے

کام آتے ہیں غیروں کے جو ہوتے ہیں وفادار | حضرت ہیں مصیبت میں کئی دن سے گرفتار
اور میں تو غلام آپ کا ہوں یا شہ ابرار | ٹکڑے ہوئے سب فوج نہ یاور ہے نہ انصار
قاسم کے بچھڑنے کا بڑا دل پہ تعب ہے
اب بھی جو نہ صدقے ہو یہ خادم تو غضب ہے

باقی ہے غلام آپ کا یا اکبر ذیجاہ | خادم کا وہ شہزادہ ہے اور آپ شہنشاہ
وہ گیسوؤں والا جو ہوا عازم جنگاہ | کونین میں پھر میرا ٹھکانا نہیں واللہ
مر کر بھی ہم اس رنج سے آزاد نہ ہوں گے
ماں دودھ نہ بخشیں گی پدر شاد نہ ہوں گے

عباسؑ نے یہ درد دل اپنا جو سُنایا | شبیرؑ کو رونے کے سوا کچھ نہ بن آیا
فرمایا کہ تم سے ہمیں قسمت نے چھڑایا | افسوس کہ تم نے مرا لاشہ نہ اُٹھایا
اب تم کو نہ روکیں گے نہ گھبراؤ برادر
چھاتی سے پھر اک بار لپٹ جاؤ برادر

جھکنے لگا سردار کے قدموں پہ علمدار | لپٹا کے گلے رونے لگے سید ابرار
فرماتے تھے صدقے میں ترے اے مرے غمخوار | اب فاطمہؑ کا لال ہوا بیکس و ناچار
صدمہ ہوا تھا یہ جدائی کسے یکی
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبط نبیؐ کی

اے جان برادر تری شوکت کے میں صدقے | ہے ہے مرے بازو تری اُلفت کے میں صدقے
اے رستم لشکر تری ہیبت کے میں صدقے | اے ثانیٔ جعفر تری صورت کے میں صدقے
آفت تری فرقت کی نہیں ٹلتی ہے بھائی
اس وقت کلیجہ پہ چھری چلتی ہے بھائی

تو مر گئے چلا یا اخی ہائے ہائے | اب بیکس و بے یار ہوا سبط نبیؐ ہائے
اُمت نے محمدؐ کی مری قدر کی ہائے | مر جاؤں گا غم میں ترے عباسؑ علی ہائے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی ملتا ہے برادر
اب دم مرا گھبرا کے نکلتا ہے برادر

ناگاہ در خیمہ سے فضہ یہ پکاری | غش ہو گئی ہے پیاس سے بھر آپکی پیاری
گہوارے میں اصغر بھی سسکتا ہے میں واری | عباسؑ کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
لنڈوں میں دُھائی ہے رسولؐ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیر خدا کی

دو جا میں تلف ہوتی ہیں جان حضرت شبیر | پانی اسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
سر چوب سے ٹکراتی ہے یاں بانو دلگیر | للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضہ کی صدا سنتے ہی میداں سے پھرے شاہ | روتے ہوئے عباسؑ گئے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمت للہ | پانی کا ادھر شور اُدھر ماتم نوشاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانوئے ناشاد کھڑی تھی

اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہ ابرار | آواز پدر سن کے سکینہ ہوئی ہوشیار
کی چھاتی سے لپٹ کے یہ عباسؑ نے گفتار | قربان تری پیاس میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہ
ہوئے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہ

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی | سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی زینب بھی قریں بھائی کے آئی | حضرت نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہانے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سن کے سکینہؑ نے کہا واہ چچا جان | اس عزم سے اب میں ہوئی آگاہ چچا جان
ہاتھوں سے چلے تم بھی مرے آہ چچا جان | رکھ دیجے مری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

پہلے شہ ابرار کو سمجھاؤ تو جاؤ! | پھر چاند سی صورت مجھے دکھلاؤ تو جاؤ
لو دیر نہ ہوگی یہ قسم کھاؤ تو جاؤ | مانوں گی نہیں نہر سے جلد آؤ تو جاؤ
تنہا مرے بابا ہیں کوئی پاس نہیں ہے
کھو دیں تمھیں ایسی تو مجھے پیاس نہیں ہے

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی | بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی
رکنے کے نہیں لال کہیں گو ظلم کے بانی | کیا دل سے بھلا دینگے تری تشنہ دہانی
بیشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آگے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہو گئی یہ سن کے سکینہؑ جگر افگار! | عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
بھائیؑ کے گلے مل کے بہت روئے شہ ابرار | تھرانے لگی زوجہ عباسؑ علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینہ میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منھ چاند سا فق تھا

حضرت جو کھڑے تھے تو نہ کر سکتی تھی گفتار | غم تھا کہ یہ تب ہیں زندگی کے میں آثار
حضرت کو کبھی دیکھتی تھی وہ جگر افگار | تکتی تھی کن انکھیوں سے کبھی سوئے علمدار

بیتابی میں دل سے جو نکل پڑتے تھے آنسو
عباسؑ کی بھی آنکھوں سے ڈھل پڑتے تھے آنسو

مُنھ پھیر کے نزدیک کو یہ کرتے تھے اشارا | تم دیکھ نہ لیں اشک بہاؤ نہ خدارا
صاحب مری الفت سے مناسب ہے کنارا | دیکھو نہ کہیں بگڑے بنا کام ہمارا

ہر بار نہ آقا کی طرف دیکھ کے روؤ
روتی ہو تو کبریٰ کی طرف دیکھ کے روؤ

سوز

جبکہ مارے گئے دریا کے کنارے عباسؑ | اور تب تشنہ ہی کوثر کو سدھارے عباسؑ
شہ نے فرمایا کہ ہے ہے مرے پیارے عباسؑ | اب نہیں جینے کے ہم غم میں تمہارے عباسؑ

سچ تو یہ ہے کہ تمھیں ہاتھ سے کھویا میں نے
زندگانی کا مزا ہاتھ سے کھویا میں نے

مرثیہ نمبر ۱۸

شہادت حضرت عباسؑ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدارؑ کے بازو | شانوں سے جدا ہو گئے جرّار کے بازو
ریتی پہ گرے شاہ کے غمخوار کے بازو | تھرّانے لگے سیّد ابرار کے بازو
رنگ اُڑ گیا تصویر الم ہو گئے شبیرؑ
صدمہ یہ ہوا ضعف سے خم ہو گئے شبیرؑ

اکبر سے کہا کر دو گریباں مرا پارا | ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدھارا | فرما کے یہ حضرت نے عمامہ کو اُتارا
آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سکینہؑ
بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سکینہؑ

فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہ والا | سنبھلے کبھی خود اور کبھی اکبر نے سنبھالا
تھا سینۂ اقدس میں کلیجہ تہ و بالا | چلّاتے تھے ہے ہے مری آغوش کا پالا
آگے کبھی چلتے کبھی پھرتے تھے شبیرؑ
گھبرا کے ہر اک گام پہ گر پڑتے تھے شبیرؑ

کہتے تھے اٹھا کر یہ علی اکبر ذیجاہ | دریا کی ترائی تو ابھی دور ہے یا شاہ
فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں اے ماہ | عباسؑ علی کھو گئے دنیا ہمیں آہ!
اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
اکبر ہمیں کیا بھائی کا لاشہ نہ ملے گا

حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ جو لائے | عباسؑ علمدار سسکتے نظر آئے
اکبرؑ نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے | بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شبیرؑ
ثابت علی اکبرؑ پہ ہوا مر گئے شبیرؑ

ہے ہے شہ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبرؑ | صدمے سے تڑپنے لگے عباسؑ دلاور
گھبرا کے بھتیجے سے کہا اے مرے دلبر | بتلاؤ کدھر ہیں مرے آقا مرے سرور
اکبر نے کہا غم شہ والا کو بڑے ہیں
وہ آپ کے قدموں کی طرف غش میں پڑے ہیں

سرکا کے قدم جلد یہ عباسؑ پکارے | پھیرو مرے لاشہ کو میں قربان تمہارے
چھاتی میں ہے دم موت کے آثار ہیں سارے | قبلہ کی طرف کیجیے منہ اے مرے پیارے
بیدست ہوا اس وقت یہ احسان کرو ہم پر
رکھ دو مرا سر قبلۂ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو بابا کو اٹھاؤ | للہ زمیں سے شہِ والا کو اٹھاؤ
میں اٹھ نہیں سکتا تمھیں آقا کو اٹھاؤ | قدموں کی طرف سے مرے مولا کو اٹھاؤ
واجب مصحفِ ناطق کا ادب ہے
قرآں کی طرف پاؤں قیامت ہے غضب ہے

غش میں یہ سخن سن کے پکارے شہِ ذیشاں | یہ کس کی صدا ہے میں اس آواز کے قرباں
اکبرؑ نے کہا اب یہ تڑپتے ہیں چچا جاں | مل لیجئے عباسؑ کوئی دم کے ہیں مہماں
پھر ہو نہ سکا ضبط امامِ ازلی سے
لپٹے شہِ دیں لاشۂ عباسؑ علی سے

چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی | کیا دل کا ہے عالم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں تشنہ ہے پُرزخم مرے بھائی مرے بھائی | اکھڑا ہے ترا دم مرے بھائی مرے بھائی
سینہ میں اجل سانس ٹھہرنے نہیں دیتی
ہچکی تمھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی

خشکیدہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا | کچھ نرگسی آنکھوں سے کرو ہم کو اشارا
پتلی بھی پھری جاتی ہے منھ زرد ہے سارا | معلوم ہوا جلد ہے اب کوچ تمھارا
کروٹ نہیں بھائی سے منھ موڑ رہے ہو
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رقت ہوئی طاری
عباسؑ علمدار کراہے کئی باری
اٹکا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہوئے جاری
تن رہ گیا اور روح ہوئی خلد سدھاری
چلّا کے جو شہ روئے تو گھبرائی سکینہؑ
نکلا تھا دم ان کا کہ نکل آئی سکینہؑ

یوں کہنے لگی دوڑ کے فضہ جگر افگار
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی بدکار
چلّائی بہن ڈیوڑھی سے یا سیّد ابرار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہؑ جگر افگار
یا بھیج کے اُن بیکس و بے آس کو لاؤ
یا ڈیوڑھی تلک لاشۂ عباسؑ کو لاؤ

گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرورؑ
دیکھا کہ چلی آتی ہے سر پیٹتی دختر
زلفیں تو ہیں بکھری ہوئی ٹوپی نہیں سر پر
جو روکتا ہے کہتی ہے گھبرا کے وہ مضطر
لوگو تمھیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہے
بتلا دو مجھے بہر خدا نہر کدھر ہے

سقّہ کا مرے نام ہے عباسؑ علمدار
تصویر علیؑ کی ہے سراپا وہ خوش اطوار
کاندھے پہ تو مشکیزہ لیے اور ہاتھ میں تلوار
پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں درکار
پھر آنے کی قسمیں اُنھیں دینے کو چلی ہوں
میں اپنے چچا جان کو لینے کو چلی ہوں!

لاشہ پہ عباسؑ کے ڈال کے شبیرؑ پکارے — کیوں گھر سے نکل آئیں تمہیں بان تمہارے

گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس کے مارے — حضرت نے کہا بھائی تو دنیا سے سدھارے

میں تم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر

تم ڈھونڈھنے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی وہ بے پر — دکھلا دو مجھے لاشۂ عباسؑ دلاور

اکبرؑ نے کہا رو کے نہ مانے گی وہ دلبر — حضرت نے کہا لاشۂ عباسؑ دکھا کر

پانی کی تمنا میں ہزاروں سے لڑے ہیں

لو دیکھ لو یہ نہر سے عباسؑ پڑے ہیں

میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی — حضرت نے عبا بھائی کے چہرے سے اٹھائی

چلائی سکینہؑ کہ دہائی ہے دہائی — ریتی پہ علمدار نے یہ شکل دکھائی

تھرانے لگا لاشۂ سقائے سکینہؑ

آنے لگی لاشے سے صدا ہائے سکینہؑ

مرثیہ نمبر ۴۲

شہادت حضرت عباسؑ

جب نہر لوٹے حسینؑ پہ عباسؑ مر گئے صدمے غضب کے سبطِ نبیؐ پہ گزر گئے
خنجر الم کے دل سے جگر تک اُتر گئے چلّاتے تھے کہ شیر ہمارے کدھر گئے
واحسرتا کہ بے کس و بے یار ہو گئے
سر کیسے سنبھلیں ہاتھ تو بے کار ہو گئے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی کہ اے شاہِ زماں رونے سے اب ملیں گے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلیے گھر میں لاش علمدار نوجواں ایسا نہ ہو نکل پڑیں خیمہ سے بیبیاں
دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علیؑ نہ آئے
بچوں کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

چادر اُڑھا کے وہاں سے امامِ اُمم چلے فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
اکبرؑ تو آگے لے کے وہ پُرخوں علم چلے سر ننگے پیچھے سیدِ عالی ہمم چلے
جنگل میں شورِ نالہ و فریاد و آہ تھا
حضرت کے پیچھے اسپِ علمدارِ شاہ تھا

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بے خبر حضرت کو اس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر سیدانیو! اُٹھو علم آتا ہے خوں میں تر

اکبر علم لئے ہیں علی کے نشان کا
گھوڑا ابھی خالی آتا ہے اُس نوجوان کا

سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباسؑ کٹ گئے سیدانیوں کے تن سے لہو اور گھٹ گئے
بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے رنگ اُڑ گئے الم سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
خیمے کی سمت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسینؑ آئے
چلاتے تھے کہ بھائی بھائی کہاں پائے عباسؑ ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے ہائے!

چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
سوتے ہوئے ترائی میں چھوڑ آئے شیر کو

لپٹی جو تھی علم سے سکینہ جگر فگار ہے ہے علیؑ کی رانڈوں میں تھی ہر طرف پکار
پرچم پہ یوں چمکتا تھا پنجہ وہ بار بار سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار

تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت ہی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیرِ علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے تھے سر کے بال
چلاتی تھی کہ اے اسدِ کبریا کے لال میں سر کو پیٹتی ہوں تمھیں کچھ نہیں خیال
جاتا ہے یوں جہاں سے کوئی منہ کو موڑ کر
مسکن کیا ترائی میں لونڈی کو چھوڑ کر

مر جائے گی کنیز جو صاحب جدا رہے دیکھئے کہ خلق میں رسمِ وفا رہے
ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی آرہے تھوڑی سی جا کیر لئے پائینتی رہے
بہنوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا
صاحب کے پائینتی ہو سرہانا کنیز کا

دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھا گئی جاگے تمام رات تھے نیند آ گئی
صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی کیا خوش نصیب تھے جو اجل تم کو پا گئی
ہم تیرہ بخت ہجر کی راتوں میں روئیں گے
جاگے نصیب قبر کے اب اسمیں سوئیں گے

صاحب پکارتی ہے یہ لونڈی ادھر تو آؤ دامن قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
صورت میرے نباہ کی کوئی بتاتے جاؤ دنیا تو اب اُجڑ گئی والی مجھے بلاؤ
جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
صاحب کے ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے

اللہ تھا بس آج کی شب تک ہمارا پیار　　اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے میرے منھ کو بار بار
میں کہتی تھی کہ سو رہو اک آن میں نثار　　کہتے تھے رو کے آپ کی صحبت ہے یادگار
فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں

میں دل میں کہتی تھی کہ خوشی آمدید کیا سبب　　کیا تھی خبر کہ صبح کو چھوڑیں گے بے غضب
جب میں دونوں ہاتھوں کو جوڑتی ہوں اب　　تم جس جگہ گئے ہو مجھے بھی کرو طلب
چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
صاحب کے سلسلہ میں کوئی بے وفا نہیں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر فگار　　بانوئے شاہِ دیں نے کیا یہ بحال زار
وارث کے غم میں ہوتا ہے یہ حال میں نثار　　لے جایئے علم کو اب اے شاہ نامدار
ماتم میں کوئی اور مصیبت گزر نہ جائے
ڈر ہے کہ غم سے یہ زوجہ عباسؑ مر نہ جائے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن　　لے کر نشاں کو جائیں کہاں اب یہ بے وطن
اب تک نہ فوج ہے نہ علمدار صف شکن　　گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ اب اے بہن
لو یہ نشانی شہ دلدل سوار لو!
پٹکا علم کا کھول لو پنجہ اتار لو!

رخصت جو سُنا علم کے بڑھانے کا سب نے نام
سر اُٹھا کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
لو الوداع اے حرم سیّد انام
رایت لٹا کے خاک پہ کہنے لگے امام

بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیئے
پیاسے گلے پہ خنجرِ خونخوار چاہیئے

پرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کرتوں کے بھر آتے تھے جگر
ماں نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو ایک پیٹتا تھا سر

زلفوں پہ گرد تھی تو رخوں پر غبار تھے
چہروں سے دردِ بے پدری آشکار تھے

چھوٹا یہ شاہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیں گے اے چچا
آیا علم پھر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے لے کے پھر یہ بڑے بھائی نے کہا

اماں کی مانگ اُجڑ گئی صدقے گزر گئے
بھیا تمہیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سُن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
اُٹھ کر پکار شاہ کے بیٹے چلے کدھر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہیں نہر پر

میّت اُٹھا سکیں گے تو خالی نہ آئیں گے
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیں گے

مرثیہ نمبر ۳۰

رخصت حضرت علی اکبرؑ

اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے
سب غم تو ہیں لیکن یہ عجب طرح کا غم ہے
جو رنج و مصیبت ہے وہ اس صدمے سے کم ہے
سو راخ جگر ہوتا ہے بس وہ الم ہے
ممکن نہیں صبر آئے جو ماں باپ بجی کو
یہ داغ تو اللہ نہ دکھلائے کسی کو

یہ داغ نہ دشمن کو بھی اللہ دکھائے
یہ برچھی کسی کے نہ کلیجہ میں در آئے
قسمت نہ کسی گھر کا چراغ آہ بجھائے
ماں باپ سے فرزند کو خالق نہ چھڑائے
آرام بس اس درد سے اک دم نہیں ملتا
یہ زخم ہے وہ جس کا مرہم نہیں ملتا

اٹھارہ برس کا ہے پسر گیسوؤں والا
اک جوگ گنوا کر جسے ماں باپ نے پالا
ہمہر پدری سے ہے کلیجہ تہ و بالا
مالک ہیں مگر صبر و رضا کے شہ والا
بیٹے کی جوانی پہ تاسف نہیں کرتے
ہے آگ لگی دل میں مگر اُف نہیں کرتے

کہتے ہیں جگر چاک ہوا دل ہوا دو پارا | اکبر کا ہمیں داغِ جوانی ہے گوارا
بیٹے کی محبت نے کیا آج کنارا | امت سے زیادہ نہیں کوئی ہمیں پیارا
اولاد کی اُلفت کا نہ کچھ دھیان کریں گے
گھر سب رہِ معبود میں قربان کریں گے

فرماتے ہیں زینبؑ سے کہ بہنا اِدھر آؤ | اکبرؑ کو مرے آخری پوشاک پہناؤ
کنگھی بھی کرو بالوں میں سہرا بھی لگاؤ | تم آج مرے لال کو دولہا بھی بناؤ
حسرت دلِ غمدیدہ میں اس آن نہ رہ جائے
دولہا نہ بنے ماں کو یہ ارمان نہ رہ جائے

زینبؑ کو تو حیرانی ہے اور بانوؑ کو سکتا | کچھ کہہ نہیں سکتی ادبِ شہ سے وہ دکھیا
اکبرؑ بھی کھڑے روتے ہیں نیوڑھائے سر اپنا | ماں کوکھ جلی ہاتھوں سے تھامے ہے کلیجا
گہوارۂ اصغرؑ پہ تو سر اس کا دھرا ہے
اور آنکھوں سے اک آنسوؤں کا تار بندھا ہے

شہ کہتے ہیں فرزند کو مرنے کی لکھنا دو | اس وقت محبت علی اکبرؑ کی ہٹا دو
خالق کو کرو یاد انھیں دل سے بھلا دو | ماں کہتی ہے کس طرح کروں صبر بتا دو
گھر دیدہ و دانستہ ڈبویا نہیں جاتا
اکبر سا پسر ہاتھ سے کھویا نہیں جاتا

اس آتما کی آنچ سے جلتا ہے کلیجہ | منھ سے کوئی ساعت میں نکلتا ہے کلیجہ
بیتاب ہے اس سینہ میں اُچھلتا ہے کلیجہ | نے دل کو ہے تسکین نہ سنبھلتا ہے کلیجہ
سمجھی نہیں میں کیا مجھے سمجھاتے ہو صاحب
اکبر کو کروں صبر یہ فرماتے ہو صاحب

مرجاؤنگی بچھڑیگا جو مجھ سے مرا جایا | جب کھوئی ہے دولت تو ملے اس لال کو پایا
اٹھارہ برس سے یہ اک جوگ کمایا | پھر پاؤں گی کیونکر جو انھیں آج گنوایا
اب خیر سے اُنیسواں بھی سال قریب ہے
ماں ہوں میں کلیجہ مرا پتھر تو نہیں ہے

حضرت کو بھی یہ داغ نہ ہوئیگا گوارا | سمجھی مرے صاحب یہ انھیں کا ہے اشارا
گر آپ کی مرضی ہے تو جائے مرا پیارا | مجبور ہیں لاچار ہیں کیا زور ہمارا
شکوہ ہے نہ حضرت سے نہ کچھ اس کا گلہ ہے
صدقے گئی تقدیر سے بانو کا گلہ ہے

رخصت یہ عبث مانگتے ہیں سر کو کٹائیں | میں انکو نہیں روکتی مختار ہیں جائیں
اٹھارہ برس کی مری دولت کو لٹائیں | اس چاند سے سینہ پہ سناں ظلم کی کھائیں
مرجاؤنگی! مرجاؤنگی! پرواہ انھیں کیا ہے
جو انکی خوشی خیر ہمارا بھی خدا ہے

کہہ کر یہ سخن رونے لگی بانوئے بے پر — قدموں پہ گرے ماں کے جناب علی اکبرؑ
کی عرض کہ بندے سے ہو آپ مکدّر — میں کیا کروں ہر طرح ہے مشکل مرے سر پر
تم چھٹتی ہو مرنے کو اگر جاتا ہوں گھر سے
دوں ساتھ تمہارا تو بچھڑتا ہوں پدر سے

ہر چند کہ حق آپ کا بندہ پہ بڑا ہے — کس دکھ سے مجھے پالا ہے کیا رنج سہا ہے
پر باپ کی مظلومی پہ بھی رونے کی جا ہے — بے دینوں میں تنہا پسرِ شیرِ خداؑ ہے
اک دم میں تہِ تیغ محمدؐ کا جگر ہے
زہراؑ کا کلیجہ ہے یہ کچھ تم کو خبر ہے

ماں بولی میں کس طرح کروں صبر مری جاں — واری مرے دل کا کوئی نکلا نہیں ارماں
گیسو بھی بڑھائے نہیں منت کے ہیں قرباں — دولہن تری دیکھی نہیں اے اکبرِ ذیشاں
کن منتوں سے کیسی مرادوں سے پلے ہو
جب بیاہ کے دن آئے تو مرنے کو چلے ہو

اکبرؑ نے کہا! تھا یہی تقدیر کا لکھا — کس طرح سے فرزند کا تم دیکھتیں سہرا
یہ دارِ فنا حسرت و اندوہ کی ہے جا! — بس صبر کرو بیاہ نہ دیکھا تو نہ دیکھا
کیا غم ہے کسی ماں پہ گزرتا نہیں اماں
بن بیاہا پسر کیا کوئی مرتا نہیں اماں

بانوؑ نے کہا رو کے یہ سچ ہے مرے دلبر | پر بیٹے کو مرنے کو نہیں بھیجتی مادر
شہؑ بولے جو ماں کہتی ہے بانو علی اکبرؑ | کس طرح یہ چھاتی پہ رکھے صبر کا پتھر
بابا ہی کو شمشیر و سناں کھانے دو بیٹا
کیوں شوق کا ہے مرنے کو ہمیں جانے دو بیٹا

پھر رو کے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار | ہم جاتے ہیں بانو علی اکبر سے خبردار
اکبر سے یہ فرمایا کہ ماں بہنوں سے ہوشیار | ناموس کا ہم تم کو کئے جاتے ہیں مختار
غم میری جدائی کا اٹھانا علی اکبرؑ
اور رانڈوں کو آفت سے بچانا علی اکبرؑ

ثابت ہوا بانو پہ کہ اب آئی تباہی | بیٹے کو اگر روکا تو وارث ہوا راہی
پھر تخت کہاں اور کہاں مسندِ شاہی | وہ کیجئے کہ راضی رہیں محبوبِ الٰہی
گو دل پہ لگے چوٹ کہ صدمہ ہو جگر پر
بیٹے کو تصدق کرو زہراؑ کے پسر پر

جب دل کو یہ سمجھا چکی وہ بیکس و مضطر | بس رو دی بہت دیکھ کے شکلِ علی اکبرؑ
گہوارے سے بس ہاتھوں پہ اصغرؑ کو اٹھا کر | حضرت سے کہا اے مرے صاحب سرور
قربان کرو راہِ خدا میں جسے چاہو
قصدِ علی اکبر کا نہ لونڈی سے خفا ہو

خیمہ میں عجب رخصتِ اکبر کا ہوا غل | تھا شور کہ ہوتا ہے چراغِ شہِ دیں گُل
تھے بیبیوں کے بال کھُلے صورتِ سنبل | زنہار کسی دل کو نہ تھی تابِ تحمّل!

سیدانیوں میں رونے کی اک دھوم مچی تھی
رخصت نہ تھی اکبر کی قیامت کی گھڑی تھی

آخر ہوا اک ایک سے رخصت وہ دلاور | اور پاس سے دیکھا طرف بانوئے بے پر
ماں بولی جو کہنا ہو کہو اے علی اکبرؑ | اکبرؑ نے کہا دودھ ہمیں بخشو مادر

وہ بولی نہ اب برچھیاں مارو علی اکبرؑ
لو بخشدیا دودھ سدھارو علی اکبرؑ

سوز

خدمتِ شاہ میں رخصت کو جب آئے اکبرؑ | عرض کی جھک کے کہ اے راہ نمائے اکبرؑ
یہ تمنا ہے کہ میدان کو جائے اکبرؑ | آپ اب جانئے اصغرؑ کو بجائے اکبرؑ

تاب و طاقت نہ رہی بیٹے کی ان باتوں سے
گر پڑے خاک پہ اور تھاما جگر ہاتھوں سے

مرثیہ نمبر ۴۲

شہادت حضرت علی اکبرؑ

خزاں بہار میں یارب کوئی نہال نہ ہو | شباب میں چمن عمر پائمال نہ ہو
مَسیں لہو میں بھیگیں یہ سبزہ لال نہ ہو | جدا ضعیف پدر سے جوان لال نہ ہو
غضب ہے خاک میں سبط نبیؐ کا باغ ملا
پسر کو نیزے کا پھل اور پدر کو داغ ملا

لکھا ہے وا ابتا کی جو نہیں صدا آئی | حسینؑ امام کے چہرے پہ مُردنی چھائی
وہ آگئی کہ ضریح رسولؐ تھرائی | روانہ ہوگئی اشکوں کے ساتھ بینائی
سوار دوش پیمبرؐ کی آس ٹوٹ گئی
عنان صبر جو تھامی لگام چھوٹ گئی

پکارتے ہیں پسر کو پسر نہیں ملتا | جگر میں درد ہے لخت جگر نہیں ملتا
کوئی رفیق بہ بحر و بر نہیں ملتا | تلاش کرتے ہیں اور نظر نہیں ملتا
کبھی اُٹھے کبھی سُلطان مشرقین گرے
لکھا ہے یہ کہ بہتر جگہ حسینؑ گرے

قدم قدم پہ ٹھہرتے تھے شاہِ تشنہ گلو | ہوا میں سونگھتے تھے اپنے لال کی خوشبو
زمیں پہ بیٹھ کے گلے بہاتے تھے آنسو | تلاش کرتے تھے ہاتھوں سے لاش کو ہر سو

جو کوئی پوچھتا تھا کیا حضور ڈھونڈتے ہیں
تو سسکے کہتے تھے آنکھوں کا نور ڈھونڈتے ہیں

قریب آج جو سلطانِ بحر و بر آئے | پکارے نحس ہیں کے عدو خیر ہے کدھر آئے
یہ کون مر گیا جو آپ ننگے سر آئے | پیادہ دھوپ میں تھامے ہوئے جگر آئے

یہ کون جدا ہوا آج دور آنکھوں سے
کہ چین دل سے گیا اور نور آنکھوں سے

کہا حسینؑ نے رو کر تمہیں نہیں معلوم | ہمارے گھر میں ہے محشر تمہیں نہیں معلوم
بچھڑ گئے علی اکبر تمہیں نہیں معلوم | مٹی شبیہ پیمبرؐ تمہیں نہیں معلوم

رُلانے کو یہ امامِ اُمم سے پوچھتے ہو
چھری پھرا کے کلیجہ پہ ہم سے پوچھتے ہو

ہمارے نورِ نظر کو کہاں چھپایا ہے | بتا دو نیزہ جگر پر کہاں لگایا ہے
گلے پہ لو ابھی خنجر نہیں پھرایا ہے | جو ہوش میں ہو تو کہہ دو حسینؑ آیا ہے

مری طرف سے خبر پوچھنے کو جائے کوئی
کہا سنا مرا اکبرؑ سے بخشوائے کوئی!

تمہارے تیرِ جفا کا تو میں نشانہ تھا | بھلا نبیؐ کے مرقعہ کو کیا مٹانا تھا
کہ فیضیاب زیارت سے اک زمانہ تھا | جو نیزہ سینہ پہ مارا تھا دل بچانا تھا
گلہ کسی کا نہیں جو ہوا سو خوب ہوا
بتاؤ چاند ہمارا کہاں غروب ہوا

اے آنکھوں والو مرا نورِ عین کس جا ہے | جوانو بولو مرے دل کا چین کس جا ہے
جوان فاتحِ بدر و حنین کس جا ہے | ضعیفو عینکِ چشمِ حسینؑ کس جا ہے
کہو رسولؐ کی تصویر کو کہاں کھویا
عصائے پیری شبیرؑ کو کہاں کھویا

پکارا شمر کہ کوئی نہیں بتانے کا | بڑا ثواب ہے سادات کے رُلانے کا
نہ زندہ چھوڑیں گے بچہ بھی اس گھرانے کا | ارادہ ہے علی اصغرؑ کے خون بہانے کا
جو تیر مار کے ننھے گلے سے عید کریں
تمہاری گود میں شش ماہہ کو شہید کریں

یہ سُن کے اور طرف شاہ خوش تمناک چلے | کبھی حواس میں اور گاہ بے حواس چلے
نہ تھا یہ ہوش کدھر آئے کس کے پاس چلے | پکارتے ہوئے ہر سو بحالِ یاس چلے
مرے جوان مرے عاشق مرے جگر بولو
کہاں سدھارے کہاں چھپ رہے قمر بولو

ضعیف باپ کی پیری پر رحم فرماؤ | قدم قدم پہ نہ جنگل کی خاک چھنواؤ
یہ دیکھو ہنستے ہیں سب ان کو آنکھ دکھلاؤ | علیؑ کا نام لو اور دوڑ کر چلے آؤ
بلا لو دادا کو نزدیک ہے نجف بیٹا
اکیلے پاؤں رگڑتے ہو کس طرف بیٹا

یہ کہتے تھے کہ پکارا کوئی ترس کھا کر | کہ ایک شیر وہ گھائل پڑا ہے زیر شجر
کہاں کہاں کہا اور دوڑے سبط پیغمبر | دعائیں دے کے اسے پوچھنے لگے سرور
بھلا نشان تو دے کیا ثبوت ہوتا ہے
وہ شیر اور ہے یا شیر حق کا پوتا ہے

وہ رو کے بولا کہ ہاں لمبے لمبے گیسو ہیں | علیؑ کے نور کا سانچہ وہ گول بازو ہیں
ستارے خال قمر رخ ہلال ابرو ہیں | پسینہ عطر ہے کپڑے تمام خوشبو ہیں
بڑا پتہ تو یہ ہے وہ نبیؐ کا ثانی ہے
وداع عمر ہے اور موسم جوانی ہے

یہ سن کے زیر شجر آئے خوں کی بو پائی | مگر نہ لاش مفصل انھیں نظر آئی
وہ شوق دیکھنے کا اور وہ ضعف بینائی | تڑپ تڑپ گیا دل اور روح گھبرائی
جدھر سے آئی تھی بو اس طرف کو جانے لگے
پسینہ آنے لگا پاؤں تھرتھرانے لگے

پکارے گھبرا کے کہاں ہو کدھر ہو اے بیٹا | پسر نے ہاتھ اُٹھایا ادھر ادھر یا بابا!
یہ حال قبلۂ و کعبہ کا آہ کب سے ہوا | حسینؑ بولے تمہارا مزاج ہے کیسا

کہا پسر نے کوئی دم کی اور ایذا ہے
قدم حضور کے دیکھے مزاج اچھا ہے

یہ سُن کے جانب آواز شاہ تشنہ چلے | قریب جو پہنچے تو ملنے لگے لپٹ کے گلے
جبیں جبیں سے ملی لب پسر کے لب سے ملے | اُٹھا کے سر کو رکھا ایک ہاتھ کے تلے

پکارے ہائے غضب چہرہ زرد ہوتا ہے
وہ بولے میرے کلیجہ میں درد ہوتا ہے

وداع ہوتے ہیں جنت کو جاتے ہیں بابا | یہ دیکھئے وہ پیمبر بلاتے ہیں بابا
برہنہ سر ہیں دادا ابھی آتے ہیں بابا | چچا حسن بھی وہ تشریف لاتے ہیں بابا

جبیں پہ موت کا ٹھنڈا پسینہ آتا ہے
رگوں کے کھنچنے سے جی سنسنایا جاتا ہے

یہ کہہ کے کلمہ کی انگلی بلند کی ناگاہ | کہا کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ
پھرا کے آنکھوں کو کی جانب حسینؑ نگاہ | حسینؑ رونے لگے اور یہ کہا یہ رو کر آہ

میں زندہ بیٹھا ہوں تم میرے آگے مرتے ہو
پدر کو کلمہ کا اپنے گواہ کرتے ہو!!

تڑپ تڑپ کے یہ کہتے تھے سبطِ پیغمبرؐ | جو آئی کان میں آواز بانوئے مضطر
کہاں ہو اے مرے والی امام جن و بشر | علیؑ کی بیٹی کھلے سر نکلتی ہے باہر

پسر کے حال سے آگاہ کیا امام ہوئے
پکارے سبطِ نبیؐ وہ ابھی تمام ہوئے

سوز

دلِ صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے | دُنیا میں پسر باپ کی زینت کا سبب ہے
اولاد کا ہونا بھی عجب بخشش رب ہے | یہ سچ ہے مگر داغ بھی بیٹے کا غضب ہے

رونے کی ہے جا ظلم نیا کرتی ہے تقدیر
شبیرؑ سے اکبرؑ کو جدا کرتی ہے تقدیر

بیٹا بھی وہ بیٹا کہ جو تصویرِ پیمبرؐ | اخلاق میں مانند حسنؑ زور میں حیدرؑ
خوش لہجہ و خوش خصلت و خوش وضع سراسر | معشوق جہاں وفق دیں عاشق داور

انصاف سے سب صاحب اولاد بتا دیں
اس طرح کے فرزند کو مرنے کی دعا دیں

مرثیہ نمبر ۴۵

شہادت حضرت علی اکبرؑ

چھٹا جو مہرِ امامت سے مہ لقا فرزند — بدن کا زور ضعیفی کا آسرا فرزند
پدر کا راحتِ جاں ماں کا لاڈلا فرزند — زمیں پہ گر کے کہا ہائے دلربا فرزند
جگر پہ برچھی کا پھل کھا کے مر گئے اکبرؑ
ہمیں ضعیفی میں برباد کر گئے اکبرؑ

لٹ گئی مری اٹھارہ سال کی دولت — ہوئے جو بیاہ کے قابل تو کر گئے رحلت
نظر سے چھپ گئی ہے ہے وہ چاند سی صورت — وہ داغِ حسنِ جوانی وہ شان وہ شوکت
نہ آسرا ہے کسی کا نہ اب سہارا ہے!
جوان بیٹے کے مرنے نے ہم کو مارا ہے

ہماری زیست کا دنیا میں اب مزا نہ رہا — جواں پسر کا بڑھاپے میں آسرا نہ رہا
قوی تھا جس سے کلیجہ وہ دلربا نہ رہا — نظر میں نور تھا جس سے وہ مہ لقا نہ رہا
خُلیہ خوب ہے، روشن جو حال میرا ہے
کدھر کو جاؤں کہ چاروں طرف اندھیرا ہے

ستمگروں نے پلایا نہ بوند بھر پانی کیا زمانے سے پیاسے وہ یوسفِ ثانی
لگا کے برچھیاں کیا خوش ہیں ظلم کے بانی اُٹھائے خاک نہ کیونکر رسولؐ کا جانی
بلا کے اہلِ شقاوت نے ہم کو لوٹ لیا
ہمارے نانا کی اُمت نے ہم کو لوٹ لیا

تباہ کر کے پدر کو چلے گئے اکبرؑ ہمیں بھی ساتھ نہ خدمت کو لے گئے اکبرؑ
بغیر پھولے پھلے خَلق سے گئے اکبرؑ ہماری لاش کو مٹی نہ دے گئے اکبرؑ
پسر کا داغ کلیجے کو توڑ دیتا ہے
کوئی یوں بھی باپ کو جنگل میں چھوڑ دیتا ہے

خدا کسی کو نہ دے داغِ فرقتِ اولاد! گرے کسی پہ نہ کوہِ مُصیبتِ اولاد
بڑا غضب ہے جو لُٹ جائے دولتِ اولاد پیامِ مرگ ہے دنیا سے رحلتِ اولاد
قرار ماں کو نہ بابا کو چین آتا ہے
مزا حیات کا بیٹے کے ساتھ آتا ہے

ابھی تو لڑتا تھا اس فوج سے مرا دلدار یہ کیا سبب ہے کہ نظروں سے چھپ گیا اک بار
چمک رہی تھی ابھی برق کی طرح تلوار ابھی تو برچھیوں بھالوں میں تھا مرا دلدار
بتاؤ باپ نہ کیوں اپنا حال غیر کرے
خدا مرے پسر نوجواں کی خیر کرے

یہ کہہ کے لاش کو ہر سمت سے ڈھونڈتے آئے کبھی ٹھہر گئے رقّت سے گاہ تھرّائے
کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی یہ چلّائے ارے کوئی مرے یوسف کی لاش بتلائے

کسی طرف مجھے اُس کا پتہ نہیں ملتا
مرا جوان مرا مہ لقا نہیں ملتا

کدھر گیا وہ مرا لمبے گیسوؤں والا! کہاں گرا دیا پیاسے کو مار کر بھالا
بتاؤ کیا ہوا بانوؑ کی گود کا پالا! شبیہ احمدؐ مرسل کو قتل کر ڈالا

مرے کلیجے کو نیزے سے کیوں فگار کیا
مرے غزال کو کیوں دشت میں شکار کیا

لعیں پکارے کسے آپ اب بلاتے ہیں جو زندہ ہوتا ہے البتہ اس کو پاتے ہیں
ہمیشہ روتے ہیں ماں باپ خاک اڑاتے ہیں موئے ہوئے کہیں فرزند ہاتھ آتے ہیں

یہ آہ و نالہ و فریاد سب ہے بے حاصل
پسر کی لاش کو دیکھا بھی گر تو کیا حاصل

کہا امامِ دو عالم نے سر کو نہوڑا کر مرے بھی حلق پہ تلوار پھیر دو آکر!
خوشی ہوئی تمھیں اکبرؑ کو خوں میں نہلا کر حسینؑ روئے گا میّت گلے سے لپٹا کر

ضرور ہے جسدِ پاش پاش پر رونا
مرے نصیب میں ہے اُن کی لاش پر رونا

یہ کہہ کے رن کی طرف شاہِ کم سپاہ چلے　جگر کو ہاتھوں سے تھامے با شکِ وآہ چلے
ہر ایک لاش پہ کرتے ہوئے نگاہ چلے　ٹٹولتے ہوئے ہر اک قدم پہ راہ چلے
کلیجہ منہ سے تڑپنے میں نکلا آتا تھا
یہ جھک گئے تھے کہ سیدھا ہوا نہ جاتا تھا

گئے جو رن میں تو بیٹے کو رو کے چلائے　کہاں ہو اے علی اکبرؑ کہاں کو باپ آئے
کدھر زمیں پہ تڑپتے ہو برچھیاں کھائے　علیؑ کا لال کہاں تم کو ڈھونڈنے آئے
قدم لرزتے ہیں مشکل یہ راہ ہے بیٹا
ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے بیٹا

یہ کہہ رہے تھے کہ آواز نوجواں آئی　صدا سے بیٹے کی حضرت کے تن میں جاں آئی
ادھر تو خیمہ سے باہر تڑپ کے ماں آئی　اُدھر بہشت سے مخدومۂ جناں آئی
گئے حسینؑ تو منہ موڑتے ہوئے دیکھا
زمیں پہ بیٹے کو دم توڑتے ہوئے دیکھا

لپٹ کے بیٹے سے چلائے یوں امامِ زمن　میں تیرے زخموں کے صدقے ہوں میرے رشکِ چمن
ستم کی تیغوں سے ٹکڑے ہوا یہ گل سا بدن　چلے تم اے علی اکبرؑ جہاں سے تشنہ دہن
تپک کے ہاتھ پھیرتے ہو تپلیاں بیٹا
ہمارے سامنے لیتے ہو ہچکیاں بیٹا

ہمارے حال پہ بیٹا نہ تم کو رحم آیا — ضعیف باپ کو ماتم میں اپنے رلوایا
جوان ہو کے بڑا داغ تم نے دکھلایا — اب ایکدم نہ جئے گا بتولؑ کا جایا

کمر خمیدہ ہے دل دردناک ہے بیٹا
تمہارے غم سے جگر چاک چاک ہے بیٹا

کسے خبر ہے جو ہم پر قلق گزرتا ہے — نہ دل کو کل ہے نہ سینہ میں دل ٹھہرتا ہے
چھری سے کوئی کلیجہ کو چاک کرتا ہے — سنبھالو اے علی اکبرؑ حسینؑ مرتا ہے

کدھر یہ بیکس و بے یار و آشنا جائے
صدا سنا دو تو بابا میں جان آجائے

ہمارے گھر کی تباہی کا کچھ نہ آیا دھیان — بسایا دشتِ ستم جب کیا خدا نے جواں
برات آئی نہ شادی کا کچھ کیا ساماں — ملائے خاک میں بانوؑ کے تم نے سب ارماں

بہار پھولوں کے سہرے کی تم سنگھا نہ سکے
دلہن بھی مادرِ ناشاد کو دکھا نہ سکے

پدر کو خوب جوانی کی شان دکھلائی — سناں کلیجہ پہ اس بھوک پیاس میں کھائی
کمائی باپ کی جنگل میں تم نے لٹوائی — ہمارے مرنے کے دن تھے سو تم کو موت آئی

تمہارے بیاہ کی دل میں رہی ہوس بیٹا
نہ آیا راس یہ اٹھارواں برس بیٹا

مرثیہ نمبر ۴٦

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ | دل کو فگار کرتا ہے نور نظر کا داغ
آنکھوں کا نور کھوتا ہے نور بصر کا داغ | مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ
یہ حال ابن فاطمہؑ کے دل سے پوچھئے
زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھئے

جب برچھی کھا کے گم ہوا اکبر سا نونہال | فرزند فاطمہؑ کا کہوں کس زباں سے حال
لرزہ تھا جسم پاک میں خورشید کی مثال | چلا رہے تھے شہید ہوا ہائے میرا لال
تھامے ہوئے کلیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھا کے گرتے تھے

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد | ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے تھا یہ حال کبھی گرم گاہ سرد | مثل کمان خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

ہر دم پکارتے تھے کہ اکبر کدھر گئے | اے نورِ چشم بانوئے بے پر کدھر گئے
مرتا ہے باپ اے مرے دلبر کدھر گئے | آواز دو شبیہ پیمبر کدھر گئے

اے میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپ رہے
اے میرے چاند کیا کسی بادل میں چھپ رہے

اکبر ہماری آنکھوں میں اب تیور آتے ہیں | ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھرتھراتے ہیں
کھوئے گئے ہیں خود کہ نہیں ہم کو پاتے ہیں | کیا جانے اضطراب میں کسی سمت جاتے ہیں

اکبر سنبھال لو کہ نہایت نحیف ہیں
بیٹا ابھی جوان ہو ہم ضعیف ہیں

اے میرے لمبے گیسوؤں والے ترے نثار | اے باپ کی ضعیفی کے پالے ترے نثار
کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار | بابا کو پاس اپنے بلا لے ترے نثار

فرزند فاطمہؑ کی نحیفی پہ رحم کر!
اے نوجواں پدر کی ضعیفی پہ رحم کر!

بیٹا پکار لو کہ بہت بے قرار ہوں! | بیکس ہوں بے وطن ہوں غریب الدیار ہوں
اہل ستم تو ہنستے ہیں میں اشکبار ہوں | آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں

بولو بجھے تشنہ دہانی کا واسطہ
صورت دکھاؤ اپنی جوانی کا واسطہ

صدقے پدر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
باغِ جہاں میں آہ نہ پھولے نہ تم پھلے
ناشاد و نامراد ہی اس دہر سے چلے
رو رو کے کیوں نہ دست تاسف پدر ملے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا
ارمان ماں کو بیاہ رچانے کا رہ گیا

بیٹا ہماری آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے
اے نورِ عین باپ کی حالت تباہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالق عالم گواہ ہے
جائیں کدھر کہ فوج لعیں سد راہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں میں بینائی لے گئے

جی چاہتا ہے پھر تمہیں اک بار دیکھ لیں
محبوبِ حق کا آخری دیدار دیکھ لیں
منہ پر لٹکتے ابروئے خمدار دیکھ لیں
ٹکڑے ہوئے ہیں چاند سے رخسار دیکھ لیں
اب گلے سے لپٹو تو بابا کو کل پڑے
اب ہے یقین کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

آئی کسی طرف سے نہ اکبرؑ کی جب صدا
اعدا کو تب پکارے شہنشاہ کربلا
سبطِ نبیؐ کے حال پہ اب رحم کی ہے جا
بتلاؤ کس طرف ہے مرا لال مہ لقا
برچھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا
اے فوجِ شام چاند ہمارا کدھر گیا

اے ظالمو کہاں ہے مرا نوجواں پسر | اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کہاں کدھر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر | یوسف مرا مجھے کہیں آتا نہیں نظر

کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا
کیا زیر خاک میرے قمر کو چھپا دیا

ہے تم میں کوئی صاحب اولاد یا نہیں | دردِ دل حسینؑ سے آگاہ کیا نہیں
اس وقت ہوش سبطِ نبیؐ کے بجا نہیں | یہ حال ہے کہ آنکھوں سے کچھ سوجھتا نہیں

اکبرؑ جو مل گئے تو ٹھہر جائیگا حسینؑ
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مر جائیگا حسینؑ

کہتے تھے اہل ظلم کہ یا سید اُمم | حضرت کے نورِ چشم سے واقف نہیں ہیں ہم
اک نوجواں تو آیا تھا با شوکت و حشم | چھاتی پہ اس جری کے لگا نیزہ ستم

دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
گھوڑا کسی طرف اُسے لے کر نکل گیا

پیچ ہے عجب حسن تھا وہ غیرتِ چمن | سنبل سے گیسو پھول سا منہ چاند سا بدن
شیریں زباں شگفتہ مزاج اور کم سخن | کیا کیا لڑا ہے لاکھوں سے تنہا وہ صف شکن

جرأت جاسی کے حُسن کے لشکر میں تھے ہیں
یاں کے بھی لوگ اس کی جوانی پہ روتے ہیں

آغاز تھا ابھی مسیں بھی تھا عالمِ شباب
گویا زمیں پہ چرخ سے اُترا تھا آفتاب
پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
غیرت یہ تھی کہ بیٹے کو ہم نہ مانگا آب
سوکھے تھے ہونٹ پیاس کی کچھ انتہا نہیں
لیکن طلب سے اس کی زباں آشنا نہیں

برچھی ستم کی ہو گئی سینے کے آر پار
رہوار سے جُدا نہ ہوا پر وہ شہسوار
گھیرے تھے چار سمت سے زخمی کو بد شعار
برسا رہے تھے تیر کماندار دس ہزار
مانند شیر جھومتا تھا قاشِ زین پر
بوندیں ٹپک رہی تھیں لہو کی زمین پر

برچھی کے ساتھ چھید کے نکل آیا تھا جگر
مانند گل تھی تن کی قبا خوں میں تر بہ تر
تلوار ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں سپر
گہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم پر نظر
بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اس کا رک گیا!
ہاتھوں سے دل کو تھام کے گھوڑے پہ جھک گیا!

چلائے شاہِ دیں وہی میرا لال تھا
وہ یوسفِ حسین علیم المثال تھا
آیا زوال اس پہ جو بدرِ کمال تھا
باغِ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
یہ داغ دل حسین کو پہلے پہل ملا
برچھی سے اس کو مار کے کیا تم کو پھل ملا

داغ اس الم سے کلیجے میں پڑ گیا | میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر اجڑ گیا
کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا | سبط نبیؐ کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
صدقے کرو پدر کو تو اس نور عین پر
تلوار لا کے پھیر دو حلق حسینؑ پر

جنگل سے آئی اتنے میں اکبرؑ کی یہ صدا | اب جاں بلب ہوں بھیجئے یا شاہ کربلا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشن بقا | حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خون بھرا ہوا چہرہ گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

سوز

جب چمن خاک میں اکبرؑ کی جوانی کا ملا | یانی پانی کہا اور قطرہ نہ پانی کا ملا
داغ سیدانیوں کو احمد ثانی کا ملا | شاہ کا کچھ نہ پتا بانو کے جانی کا ملا
رو رو فرماتے تھے طاقت ہے نہ بینائی ہے
بیٹا مارا گیا اور عالم تنہائی ہے

مرثیہ نمبر ۴۸

شہادت حضرت علی اکبر

چھٹا جو شاہ سے پیری میں نوجواں فرزند | حسین خوش قد و خوش رو خوش بیاں فرزند
شبیہ عابد ذیجاہ و رتبہ داں فرزند | پدر کے تن کی تواں سارے گھر کی جاں فرزند
بہار جس کی نہ دیکھی خزاں وہ باغ ہوا
قیامت آ گئی گھر سب کا بے چراغ ہوا

بدن سے جان چلی جسم تھرتھرانے لگا | پسینہ آ گیا جی غش کا سنسنانے لگا
پسر جہاں سے چلا زور تن سے جانے لگا | چلے جو رن کو تو ہر گام پر غش آنے لگا
کبھی اُٹھے تو کبھی کر کے آہ بیٹھ گئے
جگر میں درد یہ اُٹھا کہ شاہ بیٹھ گئے

تھما جو درد بکا سے کہا ہائے پسر | ہزار حیف جلیں ہم جہاں جلائے پسر
یہ کیا ہے ہم ملک آتی نہیں صدائے پسر | پدر کی زیست کہاں جب نظر نہ آئے پسر
پسر کے داغ نے خنجر جگر پہ پھیرا ہے
چراغ جس میں نہ ہوئے وہ گھر اندھیرا ہے

بہار سبزۂ خط کی نہ ہم کو دکھلائی | جب آئے پھولنے پھلنے کے دن تو موت آئی
وہ رُخ وہ نرگسی آنکھیں وہ قد وہ بینائی | وہ گل سا جسم وہ بر میں قبا کی زیبائی

ہوا نہ بیاہ کہ چھوڑا جہانِ فانی کو
اجل نے لوٹ لیا گلشنِ جوانی کو

کبھی دل اور کبھی ہاتھوں سے تھامتے تھے جگر | اُٹھا نہ جاتا تھا مطلق یہ جھک گئی تھی کمر
تبسم کل حضرت یعقوبؑ کہتے تھے رو کر | کدھر گئے مرے یوسف لقا علی اکبرؑ

جو تھا عصائے ضعیفی وہ چھوٹ گیا ہے ہے
پسر شہید ہوا باپ لٹ گیا ہے ہے

خبر نہیں ہے تڑپتے ہو تم کہاں بیٹا | ہماری آنکھوں میں اندھیر ہے جہان بیٹا
جُدا نہ ہوئی ماں باپ سے جواں بیٹا | پدر پہ ٹوٹ پڑا غم کا آسماں بیٹا

یہ داغ عالم پیری میں دے گئے ہم کو
گلہ یہ ہے کہ نہ ہمراہ لے گئے ہم کو

اکیلا دلبر زہراؑ کو رن میں چھوڑ گئے | مدد کا وقت جب آیا تو منھ کو موڑ گئے
پچھڑ کے باپ سے آگے نہ ہاتھ جوڑ گئے | سفر میں باپ کی بیٹا کمر کو توڑ گئے!

ہوئی تمام نہ منزل کہ ساتھ چھوڑ دیا
ضعیف باپ کا جنگل میں ہاتھ چھوڑ دیا

ہزار حیف جواں ہو کے مر گئے بیٹا | پتہ تو ہم کو بتا دو کدھر گئے بیٹا
پدر سے روٹھ کے دادی کے گھر گئے بیٹا | جہاں میں باپ کو بے آس کر گئے بیٹا
بسایا دشت کو خالق نے خیر جان کیا
ہمارے گھر کی تباہی کا کچھ نہ دھیان کیا

ابھی تو رن سے تم آئے تھے پاس بابا کے | ابھی تو ہوتے تھے صدقے تم ابن زہرا کے
ابھی میں تکتا تھا چھاتی سے تم کو لپٹا کے | ابھی یہ کہتے تھے سوکھی زبان دکھلا کے
کلیجہ پیاس کی گرمی سے آہ جلتا ہے
پلا دو تھوڑا سا پانی کہ دم نکلتا ہے

یہ بین کرتے ہوئے رن میں پہنچے جب شہ دیں | تلاش کی پہ نہ بیٹے کی لاش پائی کہیں
ستمگروں کو پکارے کہ دل کو تاب نہیں | بتاؤ جلد کہاں ہے وہ میرا ماہ جبیں
حیدر کی گود کے پالے کو کیا کیا تم نے
ہمارے گیسوؤں والے کو کیا کیا تم نے

ہمارے یوسف ثانی کو جلد بتلا دو | رسول حق کی نشانی کو جلد بتلا دو
ستمگرو مرے جانی کو جلد بتلا دو | گل ریاض جوانی کو جلد بتلا دو
دل حسین پہ اک غم کا ابر چھایا ہے
ہمارے چاند کو بادل نے کیوں چھپایا ہے

یہ سن کے شاہ سے بولے وہ ظلم کے بانی | کیسے بتائیں کہاں ہے وہ یوسف ثانی
دم اخیر بھی اس کو نہیں دیا پانی | ملے گی لاش نہ اب بے رسول کے جانی

پھٹا ہے جس کا جگر وہ پسر تمہارا ہے
ابھی تو نیزہ دل سے اس نوجواں کو مارا ہے

کوئی بھی ایسا پسر ہاتھوں سے گنواتا ہے | ہزار حیف یہ دولت کوئی لٹاتا ہے
کوئی بھی لال کو ہاتھوں سے کھو کے پاتا ہے | چراغ گھر کا کوئی اس طرح بجھاتا ہے

لہو میں اپنا سفینہ ڈبو دیا تم نے
جوان بیٹے کو ہاتھوں سے کھو دیا تم نے

پسر تو مر چکا اب اشک کیوں بہاتے ہو | وہ برچھی کھا چکا ناحق پچھاڑیں کھاتے ہو
ملا وہ خاک میں کیوں سر پہ خاک اڑاتے ہو | کہاں ہے یاں اب علی اکبر جنھیں بلاتے ہو

ملا جو خاک میں پیارا وہ پھر نہیں آتا
جہاں سے جو کہ سدھارا وہ پھر نہیں آتا

کہا امام نے اے ساکنان کوفہ و شام | حسین خوب سمجھتا ہے طعن کے یہ کلام
جواب تھا یہی اس کا کہ کھینچ لوں صمصام | مگر ہو صابر و شاکر امام ابن امام!

خدا کی راہ میں یہ بھی ستم گوارا ہے
بجا ہے اپنے پسر کو ہمیں نے مارا ہے

یہ کہہ کے سوئے نہایت امام ہر دو سرا | کہ یک بیک علی اکبرؑ نے شہ کو دی یہ صدا
جگر پہ کھائی ہے برچھی گلے پہ تیر لگا | جہاں سے جاتے ہیں ہم جلد آیئے بابا!
اجل قریب ہے رخصت غلام ہوتا ہے
مدد کرو! علی اکبرؑ تمام ہوتا ہے

صدا یہ سنتے ہی دوڑے جگر کو تھام کے شاہ | ہر ایک گام پہ کرتے تھے نالۂ جانکاہ
سرہانے ہو کے جو فرزند کے بحالِ تباہ | زمیں پہ پاؤں رگڑتے تھے اکبرِ ذیجاہ
زباں تھی ہونٹوں پہ ہنگام دم شماری تھا
گلے سے اور کلیجے سے خون جاری تھا

یہ حال دیکھ کے مطلق رہی نہ دل کو تاب | بشانِ برق جو تڑپے تو رو مثلِ سحاب
جگر بسوزِ آتشِ فرقت سے ہو گیا تھا کباب | یہ کہہ کے لاش سے لپٹے امامِ عرش جناب
ہمارے حال کا اللہ خوب ناظر ہے
جواب دو علی اکبرؑ یہ باپ حاضر ہے

ترستے جاتے ہو پانی کو اے مرے دلدار | گلا نہ کیجیو بیٹا یہ باپ ہے لاچار!
تمہاری تشنہ دہانی پہ لاکھ جانیں نثار | خدا کے واسطے کھولو تو دیدۂ خونبار
تمہارے چھٹنے کا صدمہ کمال ہے پیارے
کہو تو باپ سے کیا دل کا حال ہے پیارے

پدر رو دیے علی اکبرؑ نے آنکھ کو کھولا | نگاہِ یاس سے حضرت کو دیر تک دیکھا
دمِ اخیر پدر نے کہا تو بس یہ کہا! | خدا کی حفظ و امانت میں آپ کو سونپا

سخن یہ کہہ کے جہاں سے گذر گئے اکبرؑ
حسینؑ رو کے پکارے کہ مر گئے اکبرؑ

سوز

دنیا میں جسے ماتمِ فرزندِ جواں ہو | لازم ہے کہ اکبرؑ کے لئے اشک فشاں ہو
ہر چند بشر حسن میں یکتائے جہاں ہو | آنسو جو رواں ہو غمِ اکبرؑ میں رواں ہو

مولا جو فدا کرتے نہ ہمشکل نبیؐ کو
یہ داغ وہ تھا صبر بھی آتا نہ کسی کو

پوچھو تو جوانوں سے جوانی کی تمنّا | ہوتے ہیں جوانی میں انھیں حوصلے کیا کیا
شادی کی ہوس شوق بسر حسرت دنیا | حسرت ہی میں اکبرؑ ہوئے واحسرتا و دردا

بچپن میں پلے ناز سے اور فاقہ کشی کی
شادی سے کنارا کیا مرنے کی خوشی کی

مرثیہ نمبر ۴۸

شہادت حضرت علی اکبرؑ

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
روشن قمر سپہر بریں سے جدا ہوا!
نور نظر امام مبیں سے جدا ہوا
لخت جگر حسینؑ حسیں سے جدا ہوا
دل داغ ہو گیا دل و جان بتولؑ کا
گھر بے چراغ ہو گیا سبط رسولؐ کا

پیری میں آفت غم اولاد الاماں
دل اور زخم خنجر فولاد الاماں
وہ اضطراب خاطر ناشاد الاماں
وہ اشک سوز اور وہ فریاد الاماں
بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزہ رہا
جب گھر اجڑ گیا تو زمانہ میں کیا رہا

سب چاہتے ہیں جس کی زیست وہ شیر نیاں مرے
افسوس نیم جاں بچے جان جہاں مرے
پیدا تو کس جگہ ہوئے اکبر کہاں مرے
قدرت خدا کی پیر جئے نوجواں مرے
اس عمر میں جہاں سے گذرنے کے دن نہ تھے
کہتا ہے خود شباب کہ مرنے کے دن نہ تھے

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلۂ انام | تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
رخ زرد دل میں درد بدن سرد تشنہ کام | طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے | تھرائے ہوئے تھے پاؤں شہِ تشنہ کام کے
ڈیوڑھی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے | سر دوش پر تھا زینبِ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علی اکبرؑ گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ اب تک نہ مر گئے

پُرسا تمہیں شہید کا دینے کو آئے ہیں | اکبرؑ کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
بیٹھے ہیں خاک اڑائے ہیں آنسو بہائے ہیں | یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود میں

یہ سن کے بی بیوں کے جگر پہ چھری چلی | زینبؑ نے زمیں پہ گر کے پکاریں کہ یا علی
سر پہ جہاں میں آپ سے تیغِ دو دشمن چلی | جاتا ہے ظالموں میں یہ کونین کا ولی
بیکس کو آسرا ہے لکپن سے بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

یا مصطفیٰؐ بلا میں پھنسا ہے تمہارا لال | یا شیر ذوالجلال دکھا دو انہیں جلال
یا فاطمہ میں لوٹتی ہوں بکھرائے سر کے بال | یارب الٹ دے آج یہ عزم عدوئے قتال!
پھر کیا کسی سے کام ہے جنگل میں جا رہوں
بھائی کو اپنے لیکے میں سب سے جدا رہوں

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیئے تمہیں | خالق کی یاد شکر و دعا اب چاہیئے تمہیں
لب پر رضا رضا کا سخن چاہیئے تمہیں | جو ماں کا تھا چلن وہ چلن چاہیئے تمہیں
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا

کیا کرتے ہم بہن اجل آئی وطن میں گر | ارشاد ہے مرنیوالوں کو جنگل ہو یا کہ گھر
درپیش ہے سفر ہمیں خلق سے سفر | اب آبرو یہ ہے کہ اتر جائے تن سے سر
دکھ میں خوشی ہو جنہیں الفت خدا کی ہے
میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہے

دیکھا یہ کہہ کے بانو سکینہ کو یاس سے | لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے | بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن میں تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی تاڈا ا کدھر کا

فرمایا شہؑ نے ہاں سفر ناگزیر ہے | آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آبروئے قرب خدا قدیر ہے | تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو حمایت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا ادھر اُدھر | بس کہ بہن بانوئے ناشاد نوحہ گر
فضہ نے عرض کی کہ اُدھر بیٹھی ہیں سر | رخصت کی یہ حضور کی ان کو نہیں خبر
لٹ گئی گھڑی علی اکبر کا نام ہے
چلئے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہ خوش خصال | دیکھا کہ غش ہیں خاک پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
سرپیٹ پیٹ کر یہ پکارے بصد ملال | اے شہربانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہیں

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر | کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر | صاحب کہاں ہے گیسوؤں والا امام سر
ایسے نہیں کہ دکھ میں جدا ہوں جو باپ سے
اپنے مراد والے کو میں لونگی آپ سے

باتیں یہ سُن کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر | یا رب جُدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
بانو کسے بلاؤں کہاں ہے وہ سیم بر | ہمشکلِ مصطفےٰ تو گئے فاطمہؑ کے گھر
ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں جو حق شناس ہیں
جس نے ہمیں دیا تھا وہ اب اُس کے پاس ہیں

جاگے ہوئے تھے رات کے نیند آ گئی اُنھیں | ہے ہے منافقوں کی نظر کھا گئی اُنھیں
مخفی بہت رکھا پہ اجل پا گئی اُنھیں | صحرائے کربلا کی ہوا بھا گئی اُنھیں
زندہ نہ ہو گا لال اگر مر بھی جاؤ گی!
بانو کوئی گھڑی میں ہمیں بھی نہ پاؤ گی

جاتے ہیں ہم وہیں کہ جہاں ہے وہ لالہ فام | کہہ دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
سُن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام | سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا وقت ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا وقت ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار | اے ابنِ فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار | بیٹھے کہاں یہ بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
ساتھ اپنے لے چلو مجھے بہلا کے جائیے

شہ نے کہا کہ حافظ و ناصر ہے ذوالجلال زہرا کی بیٹیوں کے رہو تم شریک حال
زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو نونہال صاحب تمہارے ساتھ ہے عابد سا خوش خصال

بیواروں کا وارث دوالی اللہ ہے

دیکھو ڈگے نہ پاؤں یہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے رو دیجو! لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے رو دیجو
زانو پہ سر کو شدت غم سے نہ ڈھا کے رو دیجو قبر رسولؐ پاک پہ ہاں جاکے رو دیجو!

لٹنے میں صبر و شکر تباہی میں چاہیئے

سونا بشر کو خوف الٰہی میں چاہیئے

سوز

جب شام کے حاکم نے خبر داروں سے پوچھا کس سنج میں تڑپے تھے زیادہ شہ والا
تب دست ادب جوڑ کے شمر اس سے یہ بولا شبیر سا صابر بھی کوئی ہو گا نہ اصلا

حضرت نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

پر شکر کا سجدہ انھیں کرتے ہوئے دیکھا

مرثیہ نمبر ۴۹

شہادت حضرت علی اکبرؑ

دشت بلا میں گم علی اکبرؑ کی لاش ہے
فرزند فاطمہؑ کو پسر کی تلاش ہے
زخم جگر پہ ناخنِ غم کی خراش ہے
سنگِ الم سے شیشۂ دل پاش پاش ہے
بانو کو غم ہے اہلِ حرم دردمند ہیں
ہے ہے پسر کی گھر میں صدائیں بلند ہیں

پوشیدہ چشم سے جو وہ نور نگاہ ہے
سبط نبیؐ کی آنکھوں میں دنیا سیاہ ہے
تھراتے ہیں ضعف سے حالت تباہ ہے
نعلین پاؤں میں ہے نہ سر پر کلاہ ہے
زردی ہے روئے پاک پہ زلفوں پہ خاک ہے
دامن تلک قبا کا گریبان چاک ہے

اللہ رے جوش ماتم فرزند گل عذار
غم سے سفید ہو گئی ریش خضاب دار
مثل کماں خمیدہ ہیں شاہ فلک وقار
کھوئے ہوئے پسر کے الم میں بے قرار
گھوڑے کی باگ ہاتھ سے ہر بار گرتی ہے
صورت جوان بیٹے کی آنکھوں میں پھرتی ہے

چلاتے ہیں کیوں باپ پیارے کدھر گئے   اے نورِ چشم آنکھوں کے تارے کدھر گئے
اے میری زندگی کے سہارے کدھر گئے   پہونچا کے ہم کو گور کنارے کدھر گئے

اندھیر ہے جہاں تمہیں پائے گا پدر
آواز دوگے تم تو چلا آئے گا پدر

روٹھے ہو کس لئے علی اکبر جواب دو   صدقے ہو باپ اے مرے دلبر جواب دو
اے ہم شبیہ خاص پیمبر جواب دو   تم سے بچھڑ کے زیست ہو کیونکر جواب دو

جو راہ ہے تمہاری وہی اپنی راہ ہے
قربان جاؤں باپ کی حالت تباہ ہے

کس جا پہ تم پڑے ہو بتاؤ پدر نثار   آواز ہم کو اپنی سناؤ پدر نثار
ہم گر پڑے ہیں آکے اٹھاؤ پدر نثار   چھاتی سے پھر پدر کو لگاؤ پدر نثار

رخصت ہے اپنی گھر کو ذرا دیکھ بھال لو
لغزش ہے ہاتھ پاؤں میں اکبر سنبھال لو

کس سے کہوں میں کون تمہارا پتہ بتائے   بیکس و غریب مسافر کہاں کو جائے
قسمت میں ٹھوکریں مری لکھی تھیں ہائے ہائے   اس جینے سے تو کاش خدا مجھکو بھی اٹھائے

کیا قہر ہے کہ گود کے پالوں سے چھٹ گئے
منزل پہ آکے قافلہ والوں سے چھٹ گئے

اب ہاتھ بھی پکڑ کے اُٹھاتا نہیں کوئی ۔ رونے پہ میرے رحم بھی کھاتا نہیں کوئی
یوسف کی میرے شکل دکھاتا نہیں کوئی ۔ بیٹا تمھاری لاش بتاتا نہیں کوئی
حالت ہماری کاہے کو دیکھی ہے آپ نے
تم کو خیال ہوگا خبر لی نہ باپ نے

آئی صدا نہ کچھ تو زمیں سے کیا سوال ۔ اے خاک تجھ میں تو نہیں پنہاں ہمارا لال
آغاز ہیں سنیں ابھی اٹھارواں ہے سال ۔ وہ حُسن ہیں ہے صورتِ محبوبِ ذوالجلال
مہتاب اُس کے چہرے کی پرتو سے ماند ہے
روشن ہے رُخ سے یہ کہ اندھیرے کا چاند ہے

اے ارض کربلا مرا دلبر کدھر گیا ۔ اے دشت نینوا مہِ انور کدھر گیا
مقتل سے ہم شبیہ پیمبر کدھر گیا ۔ اے نہر علقمہ علی اکبرؑ کدھر گیا
نکلا ہوں میں شہید پسر کی تلاش کو
بتلا مجھے مرے دُرِ یکتا کی لاش کو

تم نے تو طائرو نہیں دیکھا مرا پسر ۔ اے ہو تو بتاؤ مرے شیر کی خبر
اے ابر کس طرف مرا بیٹا ہے تو نہیں تر ۔ اے آسماں بتا کہ مرا چاند ہے کدھر
چھایا اندھیرا رونقِ باغ جہاں گئی
اے آفتاب روشنی تیری کہاں گئی

اے غیرتِ ظلم بانو کے دلبر کو کیا کیا بیکس کو تشنہ کام کو بے پر کو کیا کیا
اے ظالمو شبیہ پیمبر کو کیا کیا ملتا نہیں پتہ علی اکبر کو کیا کیا

رستہ تو دو بتا کہ بھٹکتا ہوں راہ میں
کس نے گرا دیا ہے مرے یوسف کو چاہ میں

تم نے بلا کے گھر سے نہ میرا ادب کیا مہماں پہ بے وطن پہ ستم بے سبب کیا
میرے بھتیجے بھانجوں پر رحم کب کیا فرزند نوجواں کو بھی مارا غضب کیا

اب دشمنی کرو نہ شہ مشرقین سے
بچھڑے ہوئے پسر کو ملا دو حسینؑ سے

یہ کہہ کے ہر طرف گئے با چشم اشکبار لیکن ملا نہ شاہ کو فرزند نامدار
خیمے کی سمت آئے جو لشکر تھے بحال زار چلائی سر کو پیٹ کے فضہ جگر فگار

یا شاہ میں بھی آنے کو تھی فوج شام میں
ملتی نہیں ہیں زینب بیکس خیام میں

سن لی بیاں تھیں ڈیوڑھی پہ یا شاہ بحر و بر کیا جانئے کدھر گئیں زینب برہنہ سر
ڈھونڈھتا آئی ہوں میں خیمہ عباس نامور غش تھی ابھی تو فرط قلق سے وہ نوحہ گر

بیمار ہے کس طرف کبھی لب پر کلام تھا
جاری زباں پر علی اکبر کا نام تھا

اب گھر سے ڈھونڈھنے کو نکلی ہیں بی بیاں　　بکھرے ہیں بال چہرہ فق اور اشک ہیں رواں
پکڑے ہے کوئی ہاتھوں سے بانوئے خستہ جاں　　لاشہ بتائیے علی اکبر کا ہے کہاں
اک حشر ہوگا زمیں تن پاش پاش پر
زینب کہیں نہ ہو علی اکبرؑ کی لاش پر

یہ سنکے خاک اڑانے لگے سرور زماں　　جا پہونچے لاشۂ علی اکبرؑ پہ ناگہاں
دیکھا کہ بنت فاطمہ با چشم خونفشاں　　لاشہ کے گرد پھرتی ہے با نالہ و فغاں
نے دوش پر ردا ہے نہ سر پر نقاب ہے
کانوں میں بندے ہلتے ہیں یہ اضطراب ہے

چلاتی ہے کہ گود کا پالا کہاں گیا　　آنکھوں کا نور گھر کا اجالا کہاں گیا
چشم و چراغ سید والا کہاں گیا　　میرا وہ لمبے گیسوؤں والا کہاں گیا
دو بیٹے کھو کے پالا ہے اس نونہال کو
برچھی سے کس نے قتل کیا میرے لال کو

زینبؑ کا حال دیکھ کے روئے شہ انام　　خواہر کے پاس آکے کیا اس طرح کلام
دل کو سنبھالو کہ یہ ہے صبر کا مقام　　زندہ ہے اے بہن ابھی شبیرؑ تشنہ کام
تم جاؤ میں اٹھاتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو
خیمہ میں لیکے آتا ہوں اکبرؑ کی لاش کو

یہ سنکے خیمہ میں گئی زینب بچشم نم
پہونچے لپک کے پاس اُدھر قبلۂ اُمم
پُشت فرس پہ لاش کو رکھکر بصد الم
روتے ہوئے چلے طرف خیمۂ حرم
گردن میں باپ کے علی اکبر کا ہاتھ تھا
رہوار بھی جھکائے ہوئے سر کو ساتھ تھا

پردہ اُٹھایا خیمہ کا فضہ نے ایکبار
لائے پسر کو گھر میں شہنشاہ نامدار
زیر علم کھڑا ہوا اکبر کا راہوار
اور گرد بیٹھنے لگیں رانڈیں بحال زار
اک حشر تھا کسی کو نہ اُسوقت ہوش تھا
گھوڑا بھی رو رہا تھا یہ وقت کا جوش تھا

سوز

جب کھائی سناں سرو ریاض حسنی نے
دل توڑ دیا سینہ میں برچھی کی انی نے
چلائے کہ مارا مجھے تشنہ دہنی نے
اک آہ کی تربت میں رسولؐ مدنی نے
پھل برچھی کا سینے سے نکالا نہیں جاتا
بیتاب ہے دل غم سے پکارا نہیں جاتا

مرثیہ نمبر ۵

شہادت حضرت علیؑ اکبر

لاشِ اکبر کی جو مقتل سے اُٹھا لائے حسینؑ | نوجواں کو صفِ اول سے اُٹھا لائے حسینؑ
چاند کو شام کے بادل سے اُٹھا لائے حسینؑ | جاں بلب شیر کو جنگل سے اُٹھا لائے حسینؑ
دی صدا لاشِ پسر آن کے لے جا بانو
چھد گیا برچھی سے اکبرؑ کا کلیجا بانو

دیکھ لے آخری دیدار پسر مرتا ہے | سامنے آنکھوں کے یہ نورِ نظر مرتا ہے
ایک ہی دم میں ترا رشکِ قمر مرتا ہے | مُنھ سے باہر ہے زباں تشنہ جگر مرتا ہے
دم ہے سینے میں کہ زخموں سے خوں جاری ہے
ہائے بانو ترے گھر کے لُٹنے کی تیاری ہے

پہونچی خیمہ میں جو حضرت کی یہ پُر درد صدا | مضطرب ہو گئی ناموسِ رسولِ دوسرا
کہا چلا کے سکینہ نے کہ ہے ہے بھیا | فضہ دوڑی سوئے در پھینک کے سر سے ردا
بیٹی زینبؑ مضطر نکل آئی باہر
بانو گھبرا کے کھُلے سر نکل آئی باہر

شاہ کے کاندھے پہ دیکھا علی اکبر کو نڈھال | ہاتھ پھیلا کے یہ چلائی کہ ہے ہے مرے لال
کیا غضب ہو گیا اے بادشہ نیک خصال | راس آیا نہ مرے بچہ کو اٹھارواں سال!
ٹکڑے تیغوں سے بدن ہو گیا سارا ہے ہے
کون تھا جس نے مرے شیر کو مارا ہے ہے

رو کے بانو سے یہ فرمانے لگے سرور دیں | سر نہ پیٹو ابھی زندہ ہے مرا ماہ جبیں
سانس آتی ہے یہ ہر دم ہے دم باز پسیں | کوچ اِن کا بھی ہے اور ہم بھی ہیں مرنے کے قریں
سب چھٹے اب نہ رہا کوئی ہمارا بانو
اس جواں بیٹے کے غم نے ہمیں مارا بانو

کہہ کے یہ لاش پسر خیمہ میں لائے سرور | ہاتھ اکبر کے سنبھالے تھا کوئی اور کوئی سر
شہ نے فرزند کو آہستہ لٹایا جا کر | گر کے پہلو میں تڑپنے لگی ماں خستہ جگر
کہتی تھی دل پہ سناں غم کی لگائی بیٹا
آنکھیں کھولو نہیں مرتی ہے یہ دکھیائی بیٹا

نزع میں بھی مجھے پوچھا تری الفت کے نثار | اماں اماں کی خوں میں ڈوبی ہوئی صوت کے نثار
جنگ کی لاکھوں سے تنہا تری جرأت کے نثار | تری مظلومی کے صدقے تری غربت کے نثار
مجھ کو بیٹے نے یہ کیا شان دکھائی لوگو
لٹ گئی بانوئے ناشاد دہائی لوگو!

سُن کے مادر کی صدا کھول دیئے دیدۂ نم
ہاتھ اُٹھا کر کہا روؤ نہ مرے سر کی قسم
پاس آکر ہمیں چھاتی سے لگا لو اس دم
رن سے آئے ہیں تمہاری ہی ملاقات کو ہم
پھر یہ گھر آپ کے اقبال سے دیکھا ہم نے
پر تمہیں آ کے عجب حال سے دیکھا ہم نے

زخمی ہونے کی خبر کس نے مری پہنچائی
جھوٹ ہے میں نے تو ہرگز نہیں برچھی کھائی
اب تلک بیٹے کو تقدیر سلامت لائی
دیکھتے حضرت کے قدم تن میں مرے جان آئی
مرگ سے پہلے ہو ماتم یہ زبوں ہے اماں
میرے کپڑوں پہ تو عباسؑ کا خوں ہے اماں

غش کے آنے کی کہوں وجہ کہ کیونکر آیا
تیسرا دن ہے کہ پانی نہیں میں نے پایا
دھوپ میں ان کی تھی سر پہ نہ تھا کچھ سایا
گر پڑا گھوڑے سے تیورا کے تمہارا جایا
مر چکا تھا پہ مقدر نے بچایا ہم کو
دوڑ کر باپ نے گودی میں اُٹھایا ہم کو

بولی بانوؑ کہ جو کہتے ہو خدا یوں ہی کرے
اے مرے لال یہ ماں تیری بلا لیکے مرے
لاؤ دھو ڈالوں میں جو خون میں کپڑے ہیں بھرے
چاند سے ہاتھ نہیں کس لئے چھاتی پہ دھرے
مجھ کو معلوم ہوا خلق سے جاتے ہو تم
میرے رونے کے سبب زخم چھپاتے ہو تم

بانو ڈرتی ہے نہ مرجائے پڑے ہے بیٹا | سب تمہیں دل کی مرے کلکو خبر ہے بیٹا
ہاتھ سینہ پر ترا خون ہیں تر ہے بیٹا | پھر یہ کیا ہے جو نہیں زخم جگر ہے بیٹا

سنسناتا ہے بدن جان چلی جاتی ہے
اس لہو سے تو مرے دودھ کی بو آتی ہے

ہاتھ سینہ سے اُٹھا کر تو مجھے دکھلاؤ | پردہ اس تنگ قبا کا تو ذرا سرکاؤ
مجھ سے کہتے ہو کہ ماں پیچھا کیا چھوڑ جاؤ | دیکھ لوں جا ندسی چھاتی کو تو پھر سمجھاؤ

سر نہیں ہیٹنے کی جان کھوونگی ہیں
تم سلامت ہو تو پھر کا ہے کو روؤنگی ہیں

آرزو ہے کہ پھلے پھولے مرا نخل مُراد | تم دولھن بیاہ کے لاؤ مرا گھر ہو آباد
دیکھ لوں اپنی میں آنکھوں سے تمہاری اولاد | پھر میں دُنیا سے جو گزروں تو رہے روح بھی شاد

دادی کہلاؤں گی جو بیٹا برابر ہوگا
تیرا فرزند بھی ہمشکل پیمبر ہوگا!

آہ کی سنکے یہ اکبر نے بصد رنج و ملال | درد چھاتی میں اُٹھا غیر ہوا اور بھی حال
دل میں سوچ کے رونے لگا وہ نیک خصال | ہم سفر کرتے ہیں اماں کو ہے شادی کا خیال

بر میں پوشاک کفن خاک تہ لاشہ ہوگا
نہ دولھن ہوگی، اولاد نہ سہرا ہوگا

سرد اک آہ بھری سینے سے یہ زخم کے بعد | ملک الموت نے چاہا کرے قطع حیات
ہچکی اک آئی تڑپنے لگا وہ نیک صفات | ہٹ گئے سینہ وہ خون میں کھو بیٹھے ہات

بانو چلائی مگر دم نہ پسر میں دیکھا
زخم اک چھاتی میں سوراخ جگر میں دیکھا

اے مرے شیر تجھے لطف جوانی نہ ملا | جیتے پردیس میں اے یوسف ثانی نہ ملا
قطرۂ آب بجز اشک فشانی نہ ملا | دودھ بی بی کے پلانے کا تمہیں پانی نہ ملا

مر گئے مجھکو دولہن بھی نہ دکھائی بیٹا
خاک میں ملگئی بانو کی کمائی بیٹا

اب کس کو پکارونگی میں کہکر علی اکبرؑ | اے گیسوؤں والے علی اکبرؑ علی اکبرؑ
اے شیر مرے اے مرے دلبر علی اکبرؑ | اب کو جئے دیکھ کے مادر علی اکبرؑ

واری گئی ہے وقت پڑا آل نبیؐ پر
اعدا کی چڑھائی ہے حسینؑ ابن علیؑ پر

مرثیہ نمبر ۱۵

شہادت حضرت علی اصغرؑ

بچے کی نبض دیکھ کے ماں بجواس ہے
بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے
پھرتی ہے کس یاس پہ جینے سے یاس ہے
نے دودھ ہے نہ پانی کے ملنے کی آس ہے
کہتی تھی کیا کروں میں دوہائی حسینؑ کی
تیلی پھری ہے آج مرے نور عین کی

ان داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں یا علیؑ
فریاد یا علیؑ میں کدھر جاؤں یا علیؑ
پانی کا قحط ہے میں کہاں پاؤں یا علیؑ
کس طرح انکی سانس کو ٹھیراؤں یا علیؑ
بچھلے کو آنکھ کھولے تھے اب کھولتے نہیں
روتے نہیں ہمکتے نہیں بولتے نہیں

لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو
آخر کہا یہ سب نے بلاؤ امام کو!
نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ امام کو
اس ننھے بے زباں کا حال سناؤ امام کو
اکبر کی لاش لیکے گئے ہیں قتل گاہ میں
کوئی پکارا اٹھا سوں گرا امس

حضرت لٹا رہے تھے ابھی لاشِ نوجواں جو خیمہ سے بلند ہوئی بیویوں کی فغاں
بولے کہ بین بھائی کو بہن بھائی کے کہاں اکبر تمہاری لاش کا خالق نگاہبان
ہم خیمہ گہ میں جاتے ہیں اصغر بلاتے ہیں
اُن کو بھی پاس لا کے تمہارے لٹاتے ہیں

مُنھ پر جوان بیٹے کا تازہ لہو لگائے ماتم سرا میں گنجِ شہیداں سے شاہ آگئے
جھولے پہ ہاتھ پکڑے ہوئے اہلبیت لائے بچے کے ہاتھ پاؤں ہلا کر انھیں دکھائے
رو کر کہا کہ سانس فقط آشکار ہے
بچّہ اس کا کیا حساب کہ دم کا شمار ہے

بیٹھے سرہانے جھولے کے شبیر سر جھکائے اصغر کے کان سے لب معجز نما لگائے
چپکے سے کچھ کہا کہ وہ سنتے ہی مسکرائے سوکھے سے ننھے ہاتھ کو بے ساختہ بڑھائے
بولی سکینہ بابا نے مشکل کشائی کی
اماں مبارک آنکھ کھلی میرے بھائی کی

ہاتھوں پہ اُس کو لیکے چلے شاہ کربلا اور ساتھ ساتھ گود کو پھیلائے تھی قضا
لکھا ہے دھوپ تیز تھی اور گرم تھی ہوا اصغر پہ ماں نے ڈال دی اُجلی سی اک ردا
چادر نہ تھی وہ چہرۂ پر آب و تاب پر
ٹکڑا سفید ابر کا تھا آفتاب پر

پہونچے قریب فوج تو تھرا کے رہ گئے　چاہا کریں سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ اُڑ گیا تھرا کے رہ گئے　چادر کبھی پہ چہرے سے سرکا کے رہ گئے
آنکھیں جھکا کے بولے یہ ہم انکو لائے ہیں
اصغر تمہارے پاس غرض لیکے آئے ہیں

گر میں بقول شمر وعمر ہوں گنہگار　یہ تو نہیں کبھی بھی آگے قصور وار
ششماہہ بے زبان ہے نبی زادہ شیر خوار　ہفتم سے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہے بے قرار
سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چوسے جھکا کے سر　رو کر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر　سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکالکر
پھیری زبان لبوں پہ جو اس نور عین نے
تھرا کے آسماں کو دیکھا حسین نے

مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں　بی حرملہ نے شانے سے ڈھا لکی کماں
ترکش سے جب کہ کھینچ لیا تیر جاں ستاں　چھوڑا کماں سے تاک کے حلقوم بے زباں
چھٹتے ہی حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا صغیر نے

کیا سن تھا تیر کھاتے ہی بچہ دہل گیا
سوکھے گلے سے خون کا دریا اُبل گیا
تڑپا جو شہ کے ہاتھوں تو تنکا ڈھل گیا
ٹوپی گری زمین پہ اور دم نکل گیا
ننھی کلائیوں میں تشنج سے بل پڑے
ہچکی جو آئی مُنھ سے انگوٹھے نکل پڑے

مُنھ آسماں سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا
دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا
بچہ تڑپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا !
اور ننھا ہاتھ زخم گلو پر دھرا ہوا
آنکھیں کبھی پھرا دیتے ہیں تیور بدلتے ہیں
آگے تو دودھ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں

کھینچا گلے سے بچے کے آہستہ شہ نے تیر
اور ہاتھوں پر بلند کیا لاشۂ صغیر
گردن جھکا کے بولے کہ اے خالق قدیر
مقبول ہو حسینؑ کا یہ فدیۂ اخیر
شش ماہہ کوئی کشتۂ تیر ستم نہیں
یہ بے زبان ناقۂ صالح سے کم نہیں

مُنھ رکھ کے مُنھ پہ بیٹے کے روئے امام دیں
کی ایک آہ ایسی کہ تھرا گئی زمیں
حضرت سے پوچھنے لگا یہ حرملہ لعیں
کیوں اب تو پانی آپ سے یہ مانگتا نہیں
فرمائیے کہ تیر مرا کارگر ہوا !
اصغر کا حلق خشک رہا یا کہ تر ہوا

مرثیہ نمبر ۵۲

شہادت حضرت علی اصغرؑ

گہوارے سے حسینؑ جو اصغرؑ کو لے چلے ہاتھوں پہ رکھ کے فدیۂ داور کو لے چلے
بادل میں شام کے مہ انور کو لے چلے چلائی ماں کہاں مرے دلبر کو لے چلے
فارغ ابھی نہیں ہوئی اکبرؑ کے داغ سے
کچھ روشنی ہے گھر میں مرے اس چراغ سے

للّٰلہ مرے گل کو نہ خاروں میں لیکے جاؤ ننھی سی جان کو نہ ہزاروں میں لیکے جاؤ
اک مور ناتواں کو نہ ماروں میں لیکے جاؤ بے شیر کو نہ تیغ کی دھاروں میں لیکے جاؤ
جنگل میں لے نہ جاؤ یہ نازوں کا پالا ہے
میں نے انھیں ابھی نہیں گھر سے نکالا ہے

جھولے سے کیوں اٹھا لیا کر دکھتا ہے میرا دل سوتے سے کیوں جگا لیا دکھتا ہے میرا دل
چادر میں کیوں چھپا لیا دکھتا ہے میرا دل سینے سے کیوں لگا لیا دکھتا ہے میرا دل
وسواس مجھکو آتا ہے کیا دیکھتے ہیں آپ
کیوں بار بار اس کا گلا دیکھتے ہیں آپ

دیکھو تو میری شکل کو کس طرح تکتا ہے
گودی میں میری آنے کو کیسا ہمکتا ہے
ناچار ہے کہ منہ سے نہیں بول سکتا ہے
لیکن یہ ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا ہے
بن دودھ اس کو دیکھ کے چھاتی بھر آتی ہے
جاتا نہیں یہ جان مری نکلی جاتی ہے

گودی میں پالنے سے منا سے لیکے جائیے
پیاسا ہی جی رہے گا نہ پانی پلائیے
اس کی تو شکل بھی نہ کسی کو دکھائیے
اس غنچہ لب کو یہاں ہوا بھی لگائیے
احسان ہوگا آپ کا مجھ دل ملول پر
میں واری اس کو بھیجدو قبرِ رسولؐ پر

بانوؑ کے اس بیان سے گھبرائے شاہِ دیں
آخر قریب فوج کے لے کے آئے شاہِ دیں
بچے کو رکھ کے ہاتھوں پہ چلائے شاہِ دیں
یارو سمجھ لو جو تمھیں سمجھائے شاہِ دیں
کچھ تو خیال چاہیئے ننھی سی جان کا
بتلاؤ کیا قصور ہے اس بے زبان کا

یہ سُن کے حُرملا نے اٹھایا کمان کو
تاکا خطا شعار نے ننھی سی جان کو
مارا خدنگ شاہ کے ابرو کمان کو
ہے ہے مٹایا بانوؑ کے نام و نشان کو
چلائی موت ہائے نہ تجھکو امان دی!
بچے نے سہم سہم کے ہاتھوں پہ جان دی!

تم نے سوائے شکر زباں سے نہ کچھ کہا — چاند اپنا زیر خاک چھپایا بصد بکا
تربت سے اٹھ کے آپ نے خیمہ کا رخ کیا — لیکن قدم نہ آگے کو اٹھتے تھے مطلقاً
کہتے تھے کیا کہوں گا جو بچہ کو مانگے گی
بانوؑ ضرور ہنسلیوں والے کو مانگے گی

پہنچے غرض کہ تا در خیمہ بحال زار — آئی جو بانوؑ دیکھ کے شرمائے بار بار
گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ نامدار — لو شہر بانوؑ بن گیا اصغرؑ کا بھی مزار
ناسور پڑ گیا ہے دل دردناک میں
بانوؑ تیری کمائی ملی آج خاک میں

بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا — بانوؑ وہ تیری گود کا پالا گزر گیا
بانوؑ وہ تیرے گھر کا اجالا گزر گیا — بانوؑ وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا
نے اب وہ چمکتے ہیں نہ ہر دم مچلتے ہیں
فردوس میں وہ حور کی گودی میں پلتے ہیں

چلائی بانوؑ ہائے مرے نامراد ہائے — کس جنگلوں میں بانوؑ تمہیں ڈھونڈنے کو جائے
تم کھیلنے بھی گھر میں ہمارے نہ چلنے پائے — خیمے سے جا کے شکل نہ ماں کو دکھانے آئے
مجھ سے بچھڑ کے پیاس کے مارے چلے گئے
کس ماں کی گود میں مرے پیارے چلے گئے

مرثیہ نمبر ۵۳

شہادت حضرت علی اصغرؑ

ڈھک کر عبا سے شاہ جو اختر کو لے چلے
ہاتھوں پہ رکھ کے فدیۂ اور کو لے چلے
بادل میں شام کے مہِ انور کو لے چلے
چلّائی ماں کہاں مرے دلبر کو لے چلے
فارغ ابھی نہیں ہوئی اکبر کے داغ سے
کچھ روشنی ہے گھر میں مرے اس چراغ سے

للّٰہ میرے نخل کو نہ خاروں میں لے کے جاؤ
ننھی سی جان کو نہ ہزاروں میں لے کے جاؤ
اک مور ناتواں کو نہ ماروں میں لے کے جاؤ
بے شیر کو نہ تیغ کی دھاروں میں لے کے جاؤ
جنگل میں لے نہ جاؤ یہ نازوں کا پالا ہے
میں نے انھیں ابھی نہیں گھر سے نکالا ہے

جھولے سے کیوں اُٹھا لیا دکھتا ہے میرا دل
تو تے سے کیوں لگا لیا دکھتا ہے میرا دل
چادر میں کیوں چھپا لیا دکھتا ہے میرا دل
سینے سے کیوں لگا لیا دکھتا ہے میرا دل
وسواس مجھکو آتا ہے کیا دیکھتے ہیں آپ
کیوں بار بار اس کا گلا دیکھتے ہیں آپ

دیکھو تو میری شکل کو کس طرح تکتا ہے — گودی میں میری آنے کو کیسا ہمکتا ہے
ناچار ہے کہ منہ سے نہیں بول سکتا ہے — کیسا یہ ننھے ہاتھوں کو دے دے پٹکتا ہے

بن دودھ اس کو دیکھ کے چھاتی بھر آتی ہے
جاتا نہیں یہ جان مری نکلی جاتی ہے

گودی میں پانی سے اسے لیکے جائیے — پیاسا ہی جی رہے گا نہ پانی پلائیے
اس کی تو شکل بھی نہ کسی کو دکھائیے — اس غنچہ لب کو یہاں ہوا بھی لگائیے

احسان ہوگا آپ کا مجھ دلِ ملول پر
میں واری اس کو بھیجو و قبرِ رسولؐ پر

بانو کے اس بیان سے گھبرا گئے شاہِ دیں — آخر قریبِ فوج کے لے آئے شاہِ دیں
بچے کو رکھ کے ہاتھوں پہ چلائے شاہِ دیں — یارو مجھ کو جو تمہیں سمجھائے شاہِ دیں

کچھ تو خیال چاہیئے ننھی سی جان کا
بتلاؤ کیا قصور ہے اس بے زبان کا

یہ سنکے حرملا نے اٹھایا کمان کو! — تاکا خطا شعار نے ننھی سی جان کو
مارا خدنگ شاہ کے بر و کمان کو! — ہے ہے مٹایا بانو کے نام و نشان کو

چلائی موت ہائے نہ تجھ کو امان دی!
بچے نے سہم سہم کے ہاتھوں پہ جان دی

شہ نے سوائے شکر زباں سے نہ کچھ کہا چاند اپنا زیر خاک چھپایا بصد بُکا
تربت سے اُٹھ کے آپ نے خیمہ کا رُخ کیا لیکن قدم نہ آگے کو اُٹھتے تھے مطلقاً

کہتے تھے کیا کہوں گا جو بچہ کو مانگے گی!
بانو ضرور ہنسلیوں والے کو مانگے گی!

پہنچے غرضکہ تا درِ خیمہ بکمال زار آئی جو بانو دیکھ کے تھرائے بار بار
گردن جھکا کے کہنے لگے شاہ نامدار لو شہر بانو بن گیا اصغرؑ کا بھی مزار

ناسور پڑ گیا ہے دلِ دردناک میں
بانو تری کمائی ملی آج خاک میں

بانو وہ تیری گود کا پالا گزر گیا بانو وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا
بانو وہ تیرے گھر کا اُجالا گزر گیا بانو وہ تیرا ہنسلیوں والا گزر گیا

نے اب وہ جو ہمکتے ہیں نہ ہر دم مچلتے ہیں
فردوس میں وہ حوروں کی گودی میں پلتے ہیں

چلائی یہ بانو ہائے مرے نامراد ہائے کن جنگلوں میں بانو تمھیں ڈھونڈنے کو جائے
تم گھٹنیوں بھی گھر میں ہمارے نہ چلنے پائے خیمے سے جا کے شکل نہ ماں کو دکھانے آئے

مجھ سے بچھڑ کے پیاس کے مارے چلے گئے
کس ماں کی گود میں مرے پیارے چلے گئے

مرثیہ نمبر ۵۴

شہادتِ حضرت علی اصغر

جب والیانِ خلیلِ شہ کربلا ہوئے | یعنی خدا کی راہ میں اکبر فدا ہوئے
اور باری باری قتل تمام اقربا ہوئے | ہدیے شہ ہدا کے قبول خدا ہوئے

آئی ندا جو چاہتے ہو کارساز کو
ششماہہ طفل نذر کرو بے نیاز کو

کی عرض شہ نے بار خدایا ابھی ابھی | گھر میں گیا حسین اور آیا ابھی ابھی
حاضر ہے شیر خوار میں لایا ابھی ابھی | ان کو بھی قتل گہ میں لٹایا ابھی ابھی

یہ زخم کون سا ہو گلوئے صغیر میں!
خنجر میں ہے ثواب زیادہ کہ تیر میں

یکساں ہے تیغ و تیر و سناں جو تری خوشی | اس کی بساط کیا ہے یہ ہاں جو تری خوشی
اک دھار بھی نہ ہوگی رواں جو تری خوشی | سوکھا گلا ہے سوکھی زباں جو تری خوشی

گر انقطاع نسل سے خوش کردگار ہے
سجادِ غم بھی تصدق پروردگار ہے

اکبرؑ تھا ملکِ خالقِ اکبر حسینؑ کون | مولا کا مال ہے علی اصغر حسینؑ کون
اہلِ حرم کا گھر ہے ترا گھر حسینؑ کون | عابدؑ بھی ہے امانتِ داور حسینؑ کون
چاہا بسایا چاہا اُجاڑا ملال کیا
بندہ کو اس میں چون و چرا کی مجال کیا

سرکارِ ذوالمنن کی جلالت ہے آشکار | مشکل ہے باریابیٔ دربارِ کردگار
قدسی لرزتے ہیں بنی آدم کا کیا شمار | میں تو ہوں ایک بندۂ نادار بے دیار
نقدِ عمل سے ہاتھ ہے خالی حسینؑ کا
پردہ نہ فاش ہو مرے والی حسین کا

فرزند کو خلیل نے قربان جب کیا | تحفہ غذا کھلائی اور آبِ خنک دیا !
اصغرؑ نے دودھ بھی کئی دن سے نہیں پیا | تڑپے نہ تیر کھا کے یہ مہمانِ کربلا
چشمِ قبول اس پہ ہو ربِّ جلیل کی
یہ نذرِ آخری ہے حقیر و ذلیل کی

آئی ندا کہ تم ہو دو عالم کے افتخار | خاتم تمہارے نانا تھے آدم کے افتخار
تم ہو خدا کے فضل سے خاتم کے افتخار | کرسی کی زیب عرشِ معظم کے افتخار
بندے مرے خدائی کی تو زیب و زین ہے
دونوں جہاں میں ایک خلاصہ حسینؑ ہے

بانوئے نامراد کو حضرت نے دی صدا | اے عاجز زمانہ والے غم کی مبتلا
اللہ کی کنیز نوازی پہ ہو فدا | آیا ہوں ترے پاس فرستادۂ خدا

ارشاد خواب میں جو ہوا تھا خلیلؑ سے
مجھکو ندا وہ آئی ہے ربِ جلیل سے

اصغر کو لا ذبیحۂ راہ خدا کو لا | ننھا ہے شیر بیشۂ شیر خدا کو لا
معصوم کو نشانۂ تیر قضا کو لا | محروم آب و شیر کو لا بے غذا کو لا !

اکبر تو کب کے داخل دربار رب ہوئے
لو اب تمھارے ہنسلیوں والے طلب ہوئے

بولی وہ بار بار نہ ارشاد کیجئے | لائی میں لائی لیجئے اصغر کو لیجئے
حاضر مرا جگر ہے چھری پھیر دیجئے | کچھ غم نہیں ہے وارث آل نبیؐ جئے

پچھلے کے خواب سے ہوں بہت اضطراب میں
دیکھے نہ کوئی کوکھ جلی ماں یہ خواب میں

اکبر نے دی تھی صبح کو جب آخری اذاں | قبل اس کے روتے روتے جو سوئی میں خستہ جاں
دیکھا ہجوم طائروں کا زیر آسماں | سب سے علیحدہ ہوگیا اک زاغ ناگہاں

اترا مثال باز شکاری زمین پر
جھپٹا زمیں پہ آکے مرے نازنیں پر

جنگل میں اپنے وہ مرے پیارے کو لے گیا | جھولے سمیت جھولنے والے کو لے گیا
برجِ شرف کو چاند کے ہالے کو لے گیا | دل کی ضیا کو گھر کے اجالے کو لے گیا
لے لے کے اُلٹی سانس مرا دم اُلٹتا ہے
مجھ سے سہم سہم کے یہ اصغر لپٹتا ہے

جھولے سے تشنہ لب کو وہ لائی خستہ تن | ہاتھوں پہ لے کے رونے لگے شاہِ بے وطن
ٹپکے جو منہ پہ بچّے کے اشکِ شہِ زمن | پانی سمجھ کے کھول دیا پیاسے نے دہن
خشکیدہ لب جو کھل گئے پانی کی آس میں
پر کھل سکی نہ آنکھ شہِ دیں کی پیاس میں

سلجھائے انگلیوں سے پھر اُس نے جھنڈولے بال | آیا گلے پہ تیغ کے رکھنے کا جو خیال
منّت کا طوق اُتار کے روئی وہ خستہ حال | بولی سدھارو دودھ بھی میں نے کیا حلال
حق سے گلہ نہ دودھ کے ملنے کا کیجیو!
واری میں ہاتھ جوڑتی ہوں بخش دیجیو!

المدعا سوار ہوئے جو رن کو شہِ ہدیٰ | ہاتھوں پہ بچّے کے اِک اُجلی سی ردا
بچّے کی لوتھ دیکھ یہ دینے لگے صدا | جلادو آؤ لاتے ہیں شہ فدیۂ خدا
کیا خوب نذرِ مالکِ تقدیر لاتے ہیں
بے دودھ والے بچّے کو شبیر لاتے ہیں

پہونچے جو قتل گاہ میں شاہِ فلک جناب | للکار کر یہ اہلِ جفا سے کیا خطاب
پانی کا ملتجی نہیں اب ابنِ بوتراب | استغفر اللہ آلِ نبیؐ اور سوالِ آب
دیتا ہے جو سبھوں کو اُسی سے سوال ہے
منظور بے زباں کا بس اظہارِ حال ہے

دو اک قدم کی جو نہ ہو تکلیف ناگوار | آنکھوں سے اپنی دیکھ لو احوالِ شیرخوار
آگے بڑھے جو اُن میں تھے دانا و ہوشیار | چادر اُلٹ دی شاہ نے چہرے سے ایکبار
تیور بھی بجھے ہوئے کچھ ضو نظر پڑی
بجھتے ہوئے چراغ کی سی لو نظر پڑی

بولے حسینؑ دیکھ چکے وہ پکارے ہاں | فرمایا پھر حمیتِ اسلام ہے کہاں
ہم کس کے میہماں ہیں یہ کس کے مہمان | طالب نہیں صراحی و ساغر کا بے زباں
مشہور ان کے گھر کی قناعت ہے خلق میں
دو چار قطرے پانی کے ٹپکا دو حلق میں

اُترے کبھی نہ تر ہو یہ پانی گلے سے اب | تالو سے مل گئی ہے زباں اور سیاہ لب
پوری یہ بات کہہ نہ چکے تھے شہِ عرب | ننھے گلے پہ تیر لگا آکے ہے غضب
فوارہ خوں کا زخم سے گردن کے بہہ گیا
جتنا پیا تھا دودھ لہو بن کے بہہ گیا

رگڑے یہ پاؤں منہ سے گھنگرو نکل پڑے — منہ سے انگوٹھے آنکھ سے آنسو نکل پڑے
ہو ہو کے ڈھیلے جوشن بازو نکل پڑے — حیدر جناں سے کھول کے گیسو نکل پڑے
شہ بولے قدر بڑھ گئی مجھ دل ملول کی
نذرِ حسینؑ آپ خدا نے قبول کی

سوز

اک طفل شیر خوار کی ہے داستاں عجیب — کب تیر جاں ستاں کا نشانہ ہوا غریب
جب گود میں پدر کی رگِ دل سے تھا قریب — پانی کی جستجو میں شہادت ہوئی نصیب
سب کا جو لاڈلا تھا حسینی سپاہ میں
خیمے میں ہاتھوں ہاتھ گیا رزم گاہ میں

اکبرؑ کے بعد موت کی گودی میں جو گیا — بے دودھ نیند آ گئی پیاسا ہی سو گیا
دنیا میں جس کا نام ہی بے شیر ہو گیا — وہ چاند فوج شام کی بدلی میں کھو گیا
سورج ہزار اس پہ تصدق ہزار چاند
جس نے لگائے باپ کی محنت کو چار چاند

مرثیہ نمبر ۵۵

شہادت حضرت امام حسینؑ

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
اُس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے
یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے آتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب
ڈگمگانے میں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں پُر آب
تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سینکڑوں تیر ستم تن سے گذر جاتے ہیں

برچھی آ کر کوئی سینہ پہ لگا جاتا ہے
مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھنے میں زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے
بند آنکھیں ہیں سرِ پاک جُھکا جاتا ہے
گرد زہراؑ و علیؑ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امام دوسرا گرتے ہیں

زیب ہوتا ہے جلا دوش محمدؐ کا مکیں — چمن فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں شہ دیں — ہے یہ نزدیک گرے مہر نبوت کا نگیں
پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

کوئی تیکا نہیں آہ بچانے والا — حرب ہے لاکھوں ہیں اور ایک زخم اٹھانے والا
پیاس میں کوئی نہیں پانی پلانے والا — سنبھلے کس طرح بھلا برچھیاں کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمیں جلتی ہے
مارے گرمی کے زباں خشک ہے لو چلتی ہے

کہیں دم لینے کو سایا نہیں ہے وقت زوال — اینٹھی جاتی ہے زباں پیاس کی ہے شدت کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال — دل جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہیں نڈھال
مثل خورشید بدن ضعف سے تھراتا ہے
قمر برج امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہیں ظالموں سے خشک زباں دکھلا کر — بہر حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہل کیں کہتے ہیں یہ تیغ ستم چمکا کر — آب شمشیر پیو برچھیوں کے پھل کھا کر
یہ سخن سن کے بھی غصہ نہیں فرماتے ہیں
یاس سے سوئے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہیں

عرض کرتے ہیں یہ خالق سے کہ اے رب غفور — تو ہے عالم کہ نہیں کچھ ترے بندے کا قصور
کرتے ہیں مجھ پہ بے جرم و خطا یوں یہ جور — ہاتھ امت پہ اٹھانا نہیں مجھ کو منظور

جانتے ہیں کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
پانی دیتے نہیں دو روز کا پیاسا ہوں میں

تو نے بھیجیں ہیں مرے ناز اٹھائے یا رب — وہ عنایت کیا جو میں نے کیا تجھ سے طلب
تیرا محبوب بنا عید کو میرا مرکب — روزہ رکھا تو چھپا پھر بھی اور ہو گئی شب

بھوک میں کھانا مجھے خلد کا امداد کیا
بھیج کر ہرنی کا بچہ مرا دل شاد کیا

اب اگر ہے یہ تری مصلحت اے رب قدیر — ہو رواں حلق پہ اس پیاسے کے آب شمشیر
میرے مولا بسر و چشم ہے حاضر شبیرؓ — حکم حاکم میں یہ طاقت ہے کروں میں تاخیر

جلد گردن پہ رواں خنجر براں ہووے
اب خوشا وہ جو تری راہ میں قربان ہووے

غم نہیں کچھ مجھے گو بیکس و بے یار ہوں میں — زیر شمشیر گلا رکھنے کو تیار ہوں میں
تو مددگار ہے مختار ہے ناچار ہوں میں — وقت مشکل ہے عنایت کا طلبگار ہوں میں

تیرے سجدے میں یہ سر تن سے جدا ہو جائے
عہد طفلی کا جو وعدہ ہے ادا ہو جائے

رحم کر رحم کہ شرمندہ ہوں اے بارِ خدا — بندگی کا جو تری حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوفِ محشر سے بدن کانپتا ہے سر تا پا — ہو گی اعمال کی پرسش تو کہوں گا میں کیا

کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

میں تری راہ میں ظلموں سے ہوتا ہوں فدا — تو ہے آگاہ کہ دو دن کا ہوں بھوکا پیاسا
چاہتا ہوں کہ یہی اپنی شہادت کا صلہ — مغفرت اُمتِ عاصی کی ہو اے بارِ خدا

ہے گوارا مجھے جو کچھ کہ اذیت ہوئے
ان کو دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی راحت ہوئے

عرض کرتے تھے یہ خالق سے شہِ بندہ نواز — یک بیک عالمِ بالا سے یہ آئی آواز
اے مرے شیر کے فرزند نبیؐ کے دمساز — تجھ سے ہم خوش ہیں پذیرا ہے ترا عجز و نیاز

فرد ہے عاشقِ کامل ہے وفادار ہے تو
جو کہا تھا وہ کیا صادق الاقرار ہے تو

تجھ سا عابد ہوا ہے نہ کوئی ہوئے گا — تیر کھا کھا کے کسی نے بھی نہ یوں شکر کیا
طاعتِ خلق سے اک سجدہ ہے بالا تیرا — عرشِ اعظم پہ ملائک بھی کرتے ہیں ثنا

سارا گھر میری محبت میں فدا تو نے کیا
بندگی کا تھا جو کچھ حق وہ ادا تو نے کیا

حشر تک روئے گا مظلومی پہ تیرے عالم — تیرا ماتم نہیں ہوئے گا جہاں میں کبھی کم
روضۂ پاک کو تیرے شرف بخشیں گے ہم — آئیں گے جسکی زیارت کو ملک ہو کے بہم
یہ زمیں عرش سے رتبہ میں سوا ہوئے گی
خاک تربت کی تری خاک شفا ہوئیگی

یہ صدا سنکے ہوئے شاد شہ ہر دو سرا — آگئی از سر نو جسم میں طاقت گویا
جھک کے سجدے کی طرف عجز سے رو کر یہ کہا — میرے مولا میں تری بندہ نوازی کے فدا
کیوں نہ ممتاز ہو وہ تو جسے رتبہ بخشے
اس کف خاک کو کیا رتبۂ اعلیٰ بخشے

ابھی مولا نے سر عجز اٹھایا تھا نہ آہ — نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امام ذیجاہ — آئی خاتون قیامت کی صدا بسم اللہ
تھامنے آئے علیؑ خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوب خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

اک جفا کیش نے پھر پہلو پہ نیزہ مارا — چھد گیا توڑ کے سینہ کو کلیجہ سارا
پشت تازی پہ سنبھلنے کا نہ پایا یارا — گر پڑا خاک پہ وہ عرش خدا کا تارا
گرد آلود قبائے شہ پر نور ہوئی
ریت زخموں کے لئے مرہم کافور ہوئی

خاک اور خون میں تڑپتے تھے شہنشاہ زمن　　گل کے مانند کھلے جاتے تھے سب زخم بدن
طالب آب میں کھوتے تھے خشک دہن　　گرد کھینچے ہوئے تلوار کھڑے تھے دشمن
غم ناموس بھی تھا پیاس کی بھی شدت تھی
پر سکینہؑ کو نہ دیکھ آئے یہی حسرت تھی

کان میں آتی تھی زینبؑ کی صدا جانکاہ　　دل تڑپ جاتا تھا جب درد سے کرتے تھے آہ
راہ روکے ہوئے خیمے کی کھڑے تھے گمراہ　　نیم وا چشم سے کرتے تھے سوئے خیمہ نگاہ
تن زخمی میں جو پیکان ستم گڑتے تھے
خاک سے اٹھتے تھے اور کانپ کے گر پڑتے تھے

سوز

حسینؑ جبکہ چلے بعد دوپہر رن کو　　کوئی نہ تھا کہ جو تھامے رکاب توسن کو
حسینؑ جیسے کھڑے تھے جھکا کے گردن کو　　سکینہؑ جھاڑ رہی تھیں قبا کے دامن کو
نہ آسرا تھا کوئی شاہ کربلائی کو
فقط بہن نے کیا تھا سوار بھائی کو

مرثیہ نمبر ۵۶

شہادت حضرت امام حسینؑ

جب میسر نہ ہوئی مولا کی جماعت رن میں
ہر نمازی کو پسند آئی اقامت رن میں
قبلۂ دیں نے کیا قصد عبادت رن میں
شکل محراب بنی تیغ شہادت رن میں
غل ہوا اس کو امام دو جہاں کہتے ہیں
تیغوں کے سایہ میں تکبیر اذاں کہتے ہیں

کھنچے حق سے ہوئے حامل عرش اعظم
کربلا جانے کا فرمان ہو ہم کو اس دم
تا شریک شہ تنہا ہوں عبادت میں ہم
سب صفیں باندھیں پس پشت امام اکرم
آج تک ہم نے کیا عرش علا پر سجدہ
اب سوئے کعبہ کریں خاک شفا پر سجدہ

آئی آواز کہ سب تم سے ہم نے دیا
ہم نے صلب شہ مرداں سے اسے خلق کیا
جب پیدا ہوا تو منہ سے مرا نام لیا
کیوں نہ ہو اس نے مری فاطمہؑ کا دودھ پیا
قدر دان اس کا میں ہوں میرا شناسا ہے یہ
کیوں نہ ہو میرے محمدؐ کا نواسا ہے یہ

یہ ہے وہ فرض کہ تنہا ہی ادا کرتے ہیں
میرے عاشق تہِ شمشیر پڑھا کرتے ہیں
سرِ تسلیم ہوتا ہے وہ شکرِ خدا کرتے ہیں
صادق القول کو عدہ یونہی وعدہ وفا کرتے ہیں

ہم نماز اُس کے جنازہ کی جو پڑھوائیں گے
تم بھی جانا کہ رسولانِ سلف آئیں گے

ساکنِ عرشِ بریں کرنے لگے نالہ و آہ
شاہ تکبیر یہاں کہہ چکے اللہ اللہ
اور لقامت میں ہوا صرف امام ذیجاہ
جانِ احمدؐ پہ گرے آن کے لاکھوں گمراہ

سورۂ حمد نبیؐ زادہ پڑھا چاہتا تھا
شمر خنجر لئے سینہ پہ چڑھا چاہتا تھا

نیم بسمل نے زباں سے جو کہا بسم اللہ
تیر مارا ابوایوب نے لب پر ناگاہ
در سے سیدانیاں چلّائیں کہ انا للہ
ہائے یہ ظلم نمازی پہ عیاذاً باللہ

واجب القتل کو ہے آب و غذا کی مہلت
جانِ زہراؑ کو نہیں فرض خدا کی مہلت

زینتِ عرشِ خدا خاک پہ افتادہ ہے
نہ بچھونا ہے نہ مسند ہے نہ سجادہ ہے
شمر خنجر لئے بالیں پہ استادہ ہے
کوئی اتنا نہیں کہتا کہ نبیؐ زادہ ہے

قصد سجدہ کا اِدھر قبلۂ دیں کرتا ہے
نیت ذبح اِدھر شمر لعیں کرتا ہے

آہ آخر جو ہوئی شہؑ کی نماز آخر — دیکھا خنجر لئے بالیں پہ کھڑا ہے کافر
غش لگے سر پہ در آئے سب آل رسولؐ طاہر — ملک الموت پکارا کہ ہوں میں بھی حاضر
تیغ قاتل نے کہا حلق کی خاطر ہوں میں
شہ نے فرمایا کہ تقدیر پہ شاکر ہوں میں

خنجر ظلم کو چمکا کے پکارا دشمن — بوسہ گاہ نبیؐ کاٹوں میں اب یا گردن
بولے شہ جس میں تو راضی ہو نہیں جائے سخن — حلق یہ حلق نبیؐ ہے یہ بدن انکا بدن
دیکھ سر ننگے ہر اک حور جناں آتی ہے
ابھی سینہ پہ نہ چڑھ ظالم مری ماں آتی ہے

ناگہاں آئی یہ آواز کہ اماں صدقے — میرے ماں باپ فدا میں ترے قرباں صدقے
کون کون آج ہوا تجھ پہ مری جاں صدقے — شیر کتنے ہوئے کتنے ہوئے ناداں صدقے
قتل گہ کو ابھی جنت سے جو میں آتی تھی
حور ایک ننھے سے لاشے کو لئے جاتی تھی

دور سے میں نے کھڑے ہو کے جو کی ہے نظر — دودھ سے بھی نہیں ہوتا تھا بدن اس کا تر
باہیں ننھی سی لٹکتی تھیں ادھر اور ادھر — رو کے شہ بولے وہ پوتا تھا تمہارا اصغرؑ
نخل اس باغ کے سب بھولے پھلے کٹتے ہیں
اب ملک صبح سے پیاسوں کے گلے کٹتے ہیں

قافلہ لُٹ گیا اماں مرا لشکر نہ رہا جد امجد کی نشانی علی اکبر نہ رہا
رہ گیا در دکھ کیسے برادر نہ رہا اب خبر آپ نے لی گھر کی کہ جب گھر نہ رہا
ایک میں ہوں کہ مجھے ذبح کی مُشتاقی ہے
بوسہ گاہ نبوی کٹنے کو اب باقی ہے

تُم دم ذبح یہ پورے سے ارماں کرنا لیکے گودی میں خدا پر مجھے قرباں کرنا
میرے لاشہ پہ فقط نالہ و افغاں کرنا عرش کے نیچے نہ بالوں کو پریشاں کرنا
قلزم قہر خُدا جوش میں گر آوے گا
اُمت جد کا سفینہ ابھی بہ جاویگا

گفتگو مادر و فرزند میں ہوتی تھی آہ روتی تھی فاطمہؑ مشتاق شہادت تھے شاہ
آستیں غصہ میں ظالم نے چڑھائی ناگاہ قہر جلاد پہ کی شاہ نے حسرت سے نگاہ
شمر نے پوچھا کوئی عذر تمھیں اب تو نہیں
بولے شہ دیکھ لے دروازے پہ زینب تو نہیں

وہ پکارا نظر آتی نہیں دختر زینبؑ بیٹھی پھرتی ہے خیمہ میں کھلے سر زینبؑ
گر قناتوں سے چلی آئیگی باہر زینبؑ روک سکنے کی نہیں یہ مرا خنجر زینبؑ
خلق کو آپکے بے خوف و خطر کاٹوں گا
خنجر سے بہن بھائی کے سر کاٹوں گا

آئی زہراؑ کی صدا شمر تو نابینا ہے دور نہ زینبؑ نہیں بالین پہ مگر زہراؑ ہے
ارے بے رحم خطا میرے لئے کیا ہے آستیں الٹی ہے کیوں تیغ کو کیوں کھینچا ہے
کیا اسے پالا تھا میں تیرے خنجر کے لئے
میرے بچے کو نہ کر ذبح پیمبرؐ کے لئے
یہ سنا شمر نے اور حلق پہ خنجر رکھا بڑھ کے زہراؑ نے گلا خشک گلے پر رکھا
بوسہ شہ رگ پہ دیا زانو پہ پھر سر رکھا اور دامان کفن آنکھوں پہ رو کر رکھا
درد دل سے جگر فاطمہؑ شق ہونے لگا
گود میں محسنؑ معصوم تھا وہ رونے لگا
دیکھ کر حلق پہ شبیرؑ کے خنجر زہراؑ خاک پہ لوٹ گئی کوکھ پکڑ کر زہراؑ
گہے نالاں تھی سوئے قبر پیمبرؐ زہراؑ گہے کہتی تھی نجف کو یہ کھلے سر زہراؑ
دادرس کوئی نہیں دیر سے چلاتی ہوں
یا علیؑ یا علیؑ آؤ میں لٹی جاتی ہوں
کبھی مقتل کو یہ چلاتی اکبرؑ اکبرؑ دیکھو خنجر کے تلے پاؤں رگڑتا ہے پدر
استغاثہ یہ کبھی کرتی تھی سوئے لشکر دیکھو اے لشکریو کٹتا ہے مہمان کا سر
حاکم وقت کی خاطر یہ زبوں ہوتا ہے
بے گناہ ایک نبیؐ زادے کا خون ہوتا ہے

کلمہ گو! پسرِ سید کو بچاؤ للہ
اے مسلمانو کچھ انصاف پہ آؤ للہ!
کوئی تو پانی ذبیحہ کو پلاؤ للہ
رحم سیدانی کے فرزند پہ کھاؤ للہ

ترس تم کو نہیں یہ ریت پہ افتادہ ہے
آخر اے لوگو مسلماں ہے، نبی زادہ ہے

پہنچا خیمہ میں جو یہ شور و فغانِ زہراؑ
آئے دروازہ پہ سب خورد و کلانِ زہراؑ
رن میں آیا نہ نظر راحتِ جانِ زہراؑ
کہا زینبؑ نے کہ مٹتا ہے نشانِ زہراؑ

اماں کے روضے پہ اس دم مرا دل پھٹتا ہے
اے نبی زادیو سید کا گلا کٹتا ہے

سوز

اقربا کٹ گئے جب شاہ کے باری باری
اور علمدار چلنے کی اس شاہ نے کی تیاری
خیمہ کا پردہ اٹھا زین العباؑ باری
دیکھ مقتل کی طرف کرنے لگا یوں زاری

خلد کے کونج میں ہم کو نہیں بلواتے ہو
قافلہ والو ہمیں چھوڑے چلے جاتے ہو

مرثیہ نمبر ۵

شہادت حضرت امام حسینؑ

برباد جب مرقعِ خیر النساءؑ ہوا | اور ریگِ قلم قلم چمنِ مرتضیٰ ہوا
پھر اقتلوا الحسین کا غل جا بجا ہوا | سبطِ نبیؐ پہ نرغۂ اہلِ جفا ہوا
خنجر قلق کا فاطمہؑ کے دل پہ چل گیا
زہراؑ کا چاند ظلم کے بادل میں گھر گیا

جو کبھی زباں حسینؑ تو سب کو دکھاتے تھے | واں جبرئیلؑ آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے
یاں نیزہ کھا کے گھوڑے پہ ڈگمگاتے تھے | واں حاملانِ عرشِ بریں کانپ جاتے تھے
جنت میں تھا یہ حال رسولانِ نیک کا
بے تیغ کٹ رہا تھا گلا ایک ایک کا

سب کو قلق تھا بر ملک الموت نامور | بیٹھے تھے زیرِ سایۂ طوبیٰ جھکائے سر
لکھا ہے اولیوں نے کہ طوبیٰ ہے اک شجر | ہر برگ پر ہے اُس کے رقم نامِ ہر بشر
اُفتادہ جس کے نام کا وہ برگ ہلتے ہیں
پھر قبضِ روح کو ملک الموت آتے ہیں

پر صبح قتل سے نہ حواس اُن کے تھے بجا | کہہ سکتے گاہ غش کبھی نالہ کبھی بُکا
زمیں تو کٹ رہا تھا گلستانِ مرتضا | طوبیٰ سے گر رہے تھے پھل گُل پُر ضیا
اکبر کے نام کا علی اصغر کے نام کا
کیا مرتبہ تھا نام رسولؐ انام کا

لکھا ہے ایک برگ تھا طوبیٰ کا تاجِ سر | نکہت میں عطر رنگ میں گُل نور میں قمر
ناگاہ وقت عصر گرا وہ بھی ٹوٹ کر | الفت سے اُس کی جھک گیا گرتے ہی وہ شجر
آئی ندا کہ حیدر صفدر کا نام لو
ہاں اے فرشتو دوڑ کے طوبیٰ کو تھام لو

احوال ہو گیا ملک الموت کا تباہ ! | اُس نے وہ برگ اُٹھا کے جو کی نام پر نگاہ
دیکھا حسینؑ بن علیؑ فدیۂ اِلٰہ | عمامہ کو پٹک کے کہا وا محمداؐ آہ
ہے ہے مرا نور زادہ مرا ابن فاطمہؑ
ہوتا ہے پنجتن کا زمانہ سے خاتمہ

وہ برگ لے کے خلد میں آ کر برہنہ سر | قصرِ علیؑ میں ڈھونڈھا علیؑ کو اِدھر اُدھر
دیکھا پڑا ہوا ہے عمامہ زمین پر | پوچھا تو ایک حور یہ چلائی پیٹ کر
کیا جانے کیوں زمین پہ پھینکے غم کے مارے ہیں
شاید کہ کربلا کو ابھی وہ سدھارے ہیں

سر پیٹتا ہوا وہ سوئے قتل گہ چلا — پہونچا بوقت عصر در دشت کربلا
غش تھے علیؑ گلے پہ رکھے پیاسے گلا — اور ایڑیاں رگڑتا تھا زہرا کا لاڈلا
زانوئے حسینؑ کے نیچے علیؑ کا تھا
اور سینۂ حسینؑ پہ زانو شقی کا تھا

دیکھا گیا ملک سے نہ حال شہ زماں — رو کر نکالا جیب سے گلدستۂ جناں
کی عرض تفضلے سے کہ اے شاہ انس و جاں — ہے اذن قبض میں کروں جان نبیؐ کی جاں
منہ پھیر کر علیؑ نے کہا اختیار ہے
پر اپنی والدہ کا انھیں انتظار ہے

ناگاہ پشت سر سے یہ چلائی فاطمہؑ — شبیر السلام علیک آئی فاطمہؑ
سنکر تمھاری بیکسی و تنہائی فاطمہؑ — پیاسے کٹے نہ جان کو بھی لائی فاطمہؑ
مقتل میں اس لئے ہوا وقفہ بتولؑ کو
ہر لاش پر غش آتا تھا واری رسولؐ کو

آئی تھی آرزو میں کہ دیدار دیکھوں گی — کیا جانتی تھی آخری دیدار دیکھونگی
اک سنگدل کو سینہ پہ اسوار دیکھونگی — سید کے گرد نرغۂ کفار دیکھوں گی
بہتر ہے ظلم خاک میں ان کو ملاؤنگی
واری میں آج عرش کا پایہ ہلاؤنگی

بولے علیؑ کہ صبر کر اے مادرِ حسینؑ | محشر تلک ہے آپ ہی قسمت میں شور و شین
منظور رب کو ہے حسینؑ کی تکلیف ہے کہ چین | اس نے کہا گواہ ہے معبودِ مشرقین
میں نے سوال بعد نماز وہ کچھ جب کیا
آرام و چین بچوں کا اپنے طلب کیا

فرمایا مرتضےٰ نے کہ اے بنتِ مصطفےٰ | اب غور کر حسینؑ کی تکلیف پر ذرا
سینہ پہ اس کے دیر سے بیٹھا ہے بے حیا | دو قبض روح کی ملک الموت کو رضا
راحت ہے اس کے مرنے میں ایذا ہے جینے میں
اب درد ہے بہت مرے بچے کے سینے میں

راضی تو وہ ہوئی یہ کہا یا ابو الحسنؑ | تم کہہ دو میرے منہ سے نکلے گا یہ سخن
کیا عذر ہے جو مرضیٔ معبود ذوالمنن | پر ٹکڑے ٹکڑے ہے مرے بچہ کا سب بدن
یوں قبض عضو عضو سے روح حسینؑ ہو
زخموں میں جتنا درد ہے اتنا ہی چین ہو

آواز غیب آئی کہ ہر گز نہ ہو ملول | محکوم انکا ہے ملک الموت اے بتولؑ
ان کے غلاموں کی نہیں ایذا اسے قبول | قدرت کے بوستان کا گل ہے یہ ایک پھول
عزت بڑی ہے حسب ترے نورِ عین کی
میں آپ قبض روح کروں گا حسینؑ کی

کرتی تھیں بین فاطمہؑ رو رو کے زار زار | حاشا نہ قبضِ روح کی ایذا تھی زینہار
اور چل رہی تھی شہ کے گلے پر چھری کی دھار | بر تیغ تھی یہ کُند کہ کٹتی تھی بار بار
کٹتے ہی سر کے جنت نبیؐ کو غش آگیا
بالینِ مصطفےٰؐ و علیؑ کو غش آگیا

غش سے جو آئی ہوش میں پھر مادرِ حسنؑ | دیکھا تڑپ رہا ہے تنِ اطہرِ حسینؑ
نکلی ہے بی بیوں کو لئے خواہرِ حسینؑ | نے رخت نہ قبا نہ کلاہ سرِ حسینؑ
آغوش میں لیا وہ بدن لوٹتا ہوا
پوچھا علیؑ سے سر مرے بچہ کا کیا ہوا

رو کر کہا علیؑ نے کہ میرے لال کا سر | وہ شمر زلفیں پکڑے لئے جاتا ہے اُدھر
سر پیٹ کے حسینؑ کی مادر نے کی نظر | چلائیں کس طرف ہے کہاں لے گیا کدھر
کیونکر بلائیں دوڑ کے لوں دست و پا نہیں
یا مرتضیٰ علیؑ مجھے کچھ سوجھتا نہیں

مرثیہ نمبر ۵

شہادت حضرت امام حسینؑ

تسبیح فاطمہؑ کے جو دانے بکھر گئے　　تنہا رہے حسینؑ نمازی گزر گئے
پیرو امام پاک کے سب کوچ کر گئے　　باہم تھا جن سے رشتۂ الفت وہ مر گئے
سو داغ اور ایک دلِ حق شناس تھا
کوئی نہ وقت ظہر نمازی کے پاس تھا

شہ بولے منتظر ہے امام اے نمازیو　　اچھا نہیں ہے خواب گراں اے نمازیو
اٹھو کہ ہو چکی ہے اذاں اے نمازیو　　پھر پاؤ گے یہ وقت کہاں اے نمازیو
چھوڑا ابھی سے تم نے امام حجاز کو
آؤ صفیں جما کے کھڑے ہو نماز کو

فرما کے یہ سخن در دولت پہ آئے شاہ　　صدمہ ہوا اٹھی ہوئی دیکھی جو بارگاہ
یاور کوئی تھا اب نہ درباں کوئی تھا آہ　　اک ہو کا تھا مقام جدھر کرتے تھے نگاہ
وحشت برستی تھی در دولت اداس تھا
ہر سو ہجوم یاس قناتوں کے پاس تھا

ڈیوڑھی پہ آکے رونے لگے شاہ بحر و بر — گھبرا کے آئی دختر زہرا قریب تر!
دیکھا جو بھائی کو تو پکاری وہ نوحہ گر — تشریف لائے کب مجھے مطلق نہیں خبر
طاقت کہاں ہے تن میں نہ چلا کے روئیے
بھیا بہن نثار یہاں آکے روئیے

رو کر کہا امام نے اے بنت مرتضےٰ — کیونکر نہ روؤں زیست کا اب کیا مزا رہا
پیری میں چھٹ گیا علی اکبر سا مہ لقا — بھائی نہ بھانجے نہ بھتیجے نہ دلربا
رانڈوں کو منہ دکھانے کو جی چاہتا نہیں
گھر میں بہن اب آنے کو جی چاہتا نہیں

بولی تڑپ کے زینب بیکس کہ ہے ستم — جی بھر کے تم کو دیکھ تو لوں میں اسیر غم
یہ کہہ کے باہر آئی سکینہ بچشم نم — بیٹی کے ساتھ خیمے میں آئے شہ امم
تھا اس کا ہاتھ شاہ مدینہ کے ہاتھ میں
دامن حسین کا تھا سکینہ کے ہاتھ میں

فرماتے تھے حسین یہ آنسو بہا بہا — لو الوداع اے حرم پاک مصطفےٰ
مشتاق آب تیغ ہے سوکھا ہوا گلا — تقدیر میں فراق لکھا تھا کروں میں کیا
بیٹیا نہ پاس ہے نہ برادر قریب ہے
اب وقت قتل سبط پیمبر قریب ہے

کہتے ہیں شاہ شکر کرو غم نہ چاہیئے　　خاصانِ خدا کا دکھ میں یہ عالم نہ چاہیئے
بہتر یہ ہے کہ چشم بھی پُر نم نہ چاہیئے　　آج امتحانِ صبر ہے ماتم نہ چاہیئے

ہم دیں خدا کے عشق میں جاں اشتیاق سے
تڑپو نہ تم بھی صدمۂ تیغ فراق سے

ہر شخص کو جہاں سے گزرنا ہے ایک دن　　بحرِ فنا سے پار اُترنا ہے ایک دن
منزل یہ ہے طے جسے کرنا ہے ایک دن　　گر عمرِ نوحؑ بھی ہو تو مرنا ہے ایک دن

عاقل وہ ہے جو دھیان رکھے اپنی موت کا
جو نفس ہے، وہ ذائقہ چکھے گا موت کا

سمجھا تھا میں کہ دکھ میں گھبراؤ گی بہن　　لب پر سوا سکے نہ سخن لاؤ گی بہن
رانڈ ہیں دکھ کر ینگی تو سمجھاؤ گی بہن　　رو رو کے جان دو گی تو کیا پاؤ گی بہن

قسمت سے اپنا زور چلے یہ محال ہے
زینبؑ اجل کا وقت ٹلے یہ محال ہے

بانوؑ جہاں میں یونہی رہتا ہے انقلاب　　راحت میں کوئی ہے تو کسی کو ہے اضطراب
روشن کبھی ہے گل کبھی قندیلِ آفتاب　　طفلی کبھی بڑھاپا کبھی اور کبھی شباب

رنج والم ہے راحت و غم اور سرور ہے
انجام کار خاک میں ملنا ضرور ہے

آنکھوں سے خون بہا کے پکاریں نصیب تعب | اس دن کی تھی نہ مجھ کو خبر کیا کروں میں اب
کر رحم مجھ پہ اے سحر آقائے تشنہ لب | جنگل میں آج لٹتا ہے لونڈی کا بے غضب

یوں دفعتاً بنی ہوئی قسمت بگڑتی ہے
ہے ہے کدھر میں جاؤں کہ دنیا اجڑتی ہے

قدموں سے سر اٹھا کے شہ دیں نے یہ کہا | بیتاب اس قدر نہ ہو بانو یہ کیا یہ کیا؟
راضی رہو اسی پہ جو خالق کی ہے رضا | اہل ولا کے واسطے دنیا ہے یہ بلا

شوہر جدا ہو یا پسر مہ لقا چھٹے
ہاتھوں سے صبر کا نہ مگر سلسلہ چھٹے

وہاں سے ہٹے یہ کہہ کے شہنشاہ نامدار | روئے گلے لگا کے بہت سب کو بار بار
پہلو میں تھی جو بالی سکینہ جگر فگار | آغوش میں لیا اسے جھک کر بحال زار

رو رو کے غش ہوئی جو وہ سرور کی گود میں
اک آہ بھر کے دے دیا خواہر کی گود میں

لٹتا ہے راج بانوئے غمخوار کیا کریں | بھائی سے چھٹ کے زینب ناچار کیا کریں
سیدانیاں ہیں دکھ میں گرفتار کیا کریں | خود جاں بلب مسیحا ہیں بیمار کیا کریں

دنیا سے کوچ ہے جو محمدؐ کے جائے کا
خیموں میں چار سمت سے غل ہائے ہائے کا

مرثیہ نمبر ۹۶

شہادت حضرت امام حسینؑ

جس دم نگین خاتم پیغمبراں گرا
رونق اٹھی زمیں سے امام زماں گرا
گرنے پہ سب گروہ لئے برچھیاں گرا
ہے ہے سناں چبھاؤ یہ کہتی آسماں گرا
زہراؑ سے پوچھئے یہ قلق نورِ عین کا
تپنا زمیں کا اور تڑپنا حسینؑ کا

مشتاق سر ذبح بڑھے افسرانِ کیں
قاتل کئی کھڑے ہوئے آکر قریں قریں
کوئی پکارا ہاں کوئی بولا ابھی نہیں
اب دیر کیا ہے سجدے میں کہدے لینے دو جبیں
آواز دی عمر نے ہے گردن ڈھلی ہوئی
قاتل پکارا آنکھ ابھی ہے کھلی ہوئی

سب تھم گئے مگر نہ تھما شمر بدشیم
سر پیٹنے کی جا ہے کہ اٹھا جگر قدم
سینہ دبا لیا اور کبھی تڑپے شہ امم
شورِ فغاں سنا اسی حالت میں دم بدم
قاتل سے پوچھا دیکھ کدھر غل یہ ہوتا ہے
ہے ہے حسینؑ کہکے کوئی رکھیں روتا ہے

وہ بولا کوئی ہوگا میں دیکھوں بھلا کدہر　　اب تیغ پر نگاہ ہے شہ رگ تنبیہ ہے نظر
ہاں جب سوار ہونے لگا تھا میں سینہ پر　　سیدانی ایک نکلی تھی خیمہ سے ننگے سر

اس دم ہماری فوج میں تو عید ہوتی ہے
مجھکو یقین ہے یہ وہی بی بی روتی ہے

شہ بولے اور کوئی نہیں یہ بہن بہن　　عاشق بہن حسینؑ کی تشنہ دہن بہن
بھولی ہمارے پیار میں ماں کا چلن بہن　　بلوہ کہاں کہاں تیری خستہ تن بہن

قاتل پکارا آگے بھی باہر یہ آئی تھی
شہ بولے جب سناں علی اکبرؑ نے کھائی تھی

آگے ہے وہ مقام کہ غش ہونگے مومنیں　　یہ سامنے حسینؑ ہیں وہ زینبؑ حزیں ہیں
گردن پہ تیغ دل میں سناں سینہ پر لعیں　　زینبؑ یہ حال دیکھتی ہے اور بس نہیں

نامحرموں کا دھیان نہ بردے کا ہوش ہے
یہ سب لہو کا جوش ہے الفت کا جوش ہے

وہ رونا بیکسی وہ گھبرانا یاس کا　　وہ تھرتھرانا دل کا وہ اڑنا حواس کا
کہنا بلک بلک کے یہ کلمہ ہراس کا　　اے شمر واسطہ علی اصغرؑ کی پیاس کا

للہ تین روز کے پیاسے کو چھوڑ دے
صدقہ نبی کا ان کے نواسے کو چھوڑ دے

تجھ کو ما خدا کو مان حبیب خدا کو مان زہرا کو مان حضرت مشکلکشا کو مان
سوگند فقر و فاقہ آل عبا کو مان! اپنی رسول زادی کی تو التجا کو مان

سارے بزرگ مر گئے مجھ بد نصیب کے
میرا کوئی نہیں ہے سوا اس غریب کے

اے شمر پاس بھائی کے آؤں جو تو کہے زخموں سے جلتی ریت چھڑاؤں جو تو کہے
چادر بدن کے نیچے بچھاؤں جو تو کہے بیکل ہے سر میں آکے اٹھاؤں جو تو کہے

پانی تو یاں ملے گا نہ زہرا کی جائی کو!
آنسو چھڑک کے ہوش میں لاؤں گی بھائی کو

سونیا کسے بہن کو میں پوچھونگی بھائی سے بردیں میں چھٹتے ہو زہرا کی جائی سے
یہ بھیجا ہے پوچھ لے ساری خدائی سے دعویٰ ہے کیا تجھے مری ماں کی کمائی سے

کچھ قرض ہو تو بیچ کے گھر کو ادا کروں
سمجھاؤں کس طرح تجھے میں آہ کیا کروں

اے شمر میں گلے سے لگا لوں تو ذبح کر بھائی کو میں کے خیمہ میں جا لوں تو ذبح کر
کچھ درد اپنے دل کا سنا لوں تو ذبح کر سید کو قبلہ رو میں لٹا لوں تو ذبح کر

پانی تو بھوکے پیاسے کو اے بد خصال دے
ہے وقت ذبح آنکھوں پہ کپڑا تو ڈال دے

اے شمر تجھ کو خالق اکبر کا واسطہ ۔ اے شمر تجھ کو روح پیمبر کا واسطہ
اے شمر تجھ کو حیدر صفدر کا واسطہ ۔ اے شمر تجھ کو ننھے سے اصغر کا واسطہ

للہ کر نہ ذبح شہ مشرقین کو!
میں بھیک مانگتی ہوں مجھے دے حسینؑ کو

یہ کہتے کہتے سست ہوئی دم الٹ گیا ۔ سر پیٹتی یہ رہ گئی سر شہ کا کٹ گیا
یوں لاش پر گری کہ جگر سب کا پھٹ گیا ۔ باہیں گلے میں ڈال کے لاشہ لپٹ گیا

ماں کی طرح تھی عاشق شاہ زمن بہن
یہ بھائی بھائی کہتی تھی لاشہ بہن بہن

اے عاشقان سبط پیمبر بکا کرو ۔ بہر غریب بیکس و مضطر بکا کرو
لے لے کے نام کشتۂ خنجر بکا کرو ۔ یکسر اڑاؤ خاک سروں پر بکا کرو

سرتاج کائنات کا سر تن سے کٹ گیا
یہ دن وہ ہے کہ دفتر ایماں الٹ گیا

یہ دن وہ ہے کہ قتل ہوئے سرور زمن ۔ بلوے میں بے ردا ہوئی شبیرؑ کی بہن
ڈھونڈا ہو گا آج سکینہ کا پیرہن ۔ شہزادیوں کے شانے میں باندھی گئی رسن

یہ دن ہے رخصت شہ عالی مقام کا
ماتم کرو حسین علیہ السلام کا

سوچو تو کربلائے معلیٰ کا آج حال لوٹی گئی جناب رسول خدا کی آل
آج آفتاب فاطمہؑ پر آگیا زوال سرور کی لاش ہو گئی مقتل میں پائمال

آج اُٹھ گئے امام دو عالم جہان سے
برسا ہے خون آج کے دن آسمان سے

یہ دن وہ ہے کہ قید ہوئے زار و ناتواں مشکلکشا کے پوتے کو پہنائیں بیڑیاں
کاٹا سر حسینؑ کیا زینت سناں لوٹا لباس لاشہ پر خون مہمان

خیمہ جلادیا شہ عالی جناب کا
لوٹا تبرکات رسالت مآب کا

مدفون ہوئے نہ شاہ زمن وامصیبتا ممکن ہوا نہ غسل و کفن وامصیبتا
بھائی کو رو سکی نہ بہن وامصیبتا کیسے اُٹھائے رنج و محن وامصیبتا

غم آج تک ہے خلق میں تازہ حسینؑ کا
اُٹھا نہ کربلا میں جنازہ حسینؑ کا

مرثیہ نمبر ۶

شہادت امام حسینؑ

جب یاور دیں سے دلبر زہرا بچھڑ گیا غربت میں کارخانۂ شاہی بگڑ گیا
پردیس میں حسینؑ پہ اک وقت پڑ گیا اصغر تلک بھی تیر ستم کھا کے مر گیا
یاور رہا نہ کوئی ستم مشرقین کا
دشمن زمانہ ہو گیا بے کس حسینؑ کا

میداں میں طبل جنگ بجاتے تھے اہل شام راتوں کو دے رہے تھے تسلی یہ امام
غش میں پڑے تھے حضرت سجاد تشنہ کام دکھیا بہن حسینؑ کی کرتی تھی یہ کلام
فریاد ہے خدا کی دوہائی رسولؐ کی
غربت میں کھیتی کٹتی ہے اماں بتولؑ کی

گہ جا کے نزد عابدؑ مضطر و بے قرار شانہ ہلا کے کہتی تھی با چشم اشکبار
بیٹا اٹھو اٹھو کہ ہوا حشر آشکار مرنے چلا ہے فاطمہ زہراؑ کا گلعذار
ناشاد نامراد سے منہ موڑے جاتے ہیں
بھائی حسین ساتھ میرا چھوڑے جاتے ہیں

فرماتے ہیں حسینؑ کہ اے غم کی مبتلا
بندہ کا دخل کیا ہے جو کچھ مرضیِ خدا
ملتا نہیں ہے خواہش تقدیر کا لکھا
تم صابرہ ہو صبر کرو بہر کبریا!
میں قتل ہوں یہ خواہشِ ربِ جلیل ہے
راضی رضائے حق پہ یہ عبدِ ذلیل ہے

پھر لوٹے ساتھ کس کا رہا ہے سدا یہ تن
پامال لاکھوں ہو گئے اس پر ہی چمن
ماتم کہیں بپا ہے کہیں کوئی خندہ زن
شادی کہیں ہے ہوتی ہے بیوہ کوئی دلہن
کوئی پسر کو دیکھ کے دل شاد ہوتا ہے
غربت میں کوئی بیٹے کی میت پہ روتا ہے

خواہر سے کہہ رہے تھے یہ شاہِ تشنہ لبا
جو آئے کانپتے ہوئے بیمار کربلا
کی عرض دست بستہ کہ اے فخر انبیاء
حضرت نے تو ارادہ ملکِ بقا کیا
واجب ہے رحم حال پہ مجھ تشنہ کام کے
کیا حکم ہے حضور کا حق میں غلام کے

فرمایا شہ نے بعد مرے تم امام ہو
وارث تمہیں ہو عترتِ خیر الانام ہو
دادا کے ورثہ دار تمہی لا کلام ہو
لیکن وہ کام کرنا کہ تا حشر نام ہو
تنہا نہیں ہو سر کا ہمارے بھی ساتھ ہے
یہ آبروئے حسینؑ کی اب تیرے ہاتھ ہے

تم نائبِ امام ہو اور خود بھی ہو امام
وہ کام کرنا جس سے رہے تا بہ حشر نام

آئیں جو لوٹنے کے لئے ساکنانِ شام
شکوہ سے تب زبان کو مطلق رہے نہ کام

دکھلائیو نہ طور شہ ذوالفقار کے
دے دینا سر سے چادر زینبؑ اُتار کے

اے میرے لال شان کریمی دکھائیو
خوش ہو کے پہنے بیڑیاں تا شام جائیو

زینبؑ کا سر کھلا ہے نہ غم اس کا کھائیو
اعدا پہنائیں طوق تو گردن جھکائیو

شکوہ نہ کیجیو کسی حالِ سقیم کا
کانٹا چبھے تو شکر ہی کرنا کریم کا

ہاں ایک بات کا تمہیں ہر دم رہے خیال
زینبؑ کا ہے یہ غم میں بہت ہو گا غیر حال!

اکبرؑ سا بھائی اور عونؑ و محمدؑ سے نونہال
کھو بیٹھی میرے واسطے سب کچھ وہ خستہ حال

ہر دکھ میں ساتھ زینبؑ مضطر کا دیجیو
جس میں خوشی بہن کی وہی کام کیجیو

تلقین کر رہے تھے شہنشاہِ دو سرا
جو آئی طبلِ جنگ کی میدان سے صدا

شہؑ نے لباسِ کہنہ بہن سے طلب کیا
دکھیاری بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا

پہنا لباسِ مرگ شہِ مشرقین نے
گردوں ہلا دیا زینبؑ بیکس کے بین نے

القصہ دے کے سب کو تسلی شہِ ھُدا آئے قریب گھوڑے کے با صد غم و بکا
چاہا کہ ہوں سوار مگر دیکھتے ہیں کیا ڈیوڑھی پہ رو رہا ہے کھڑا اسپ باوفا

باقی کوئی عزیز ہے نے غمگسار ہے
سر کو جھکائے روتا فقط راہوار ہے

القصہ چڑھ کے گھوڑے پہ سلطانِ تشنہ کام آئے قریب لشکرِ اعدا بہ احتشام
پڑھنے لگے یہ رجز کہ اے ساکنانِ شام تم کون ہو؟ میں کون ہوں ہے غور کا مقام

بیکس نہیں غریب نہیں بے نوا نہیں
بتلاؤ کیا میں دلبرِ شیرِ خدا نہیں

نانا ہے جس کا احمدِ مختار وہ ہوں میں بابا ہے جس کا حیدرِ کرار وہ ہوں میں
اماں ہے جس کی فاطمہؑ ناچار وہ ہوں میں جس کا کوئی نہیں ہے مددگار وہ ہوں میں

فاقہ میں مبتلا بھی ہوں اور نیم جان بھی
تم سب کا میں امام بھی ہوں میہماں بھی ہوں

یہ کہتے تھے کہ فوج ستمگر بھی آ گئی! خیر النساء کے لال پہ بدلی سی چھا گئی
بھائی جو گھر گیا تو بہن بلبلا گئی فریاد فاطمہؑ کی فلک تک صدا گئی

واں گھر نبی کی آل کا بے نور ہو گیا
زخموں سے واں تنِ شہِ دیں چور ہو گیا

مرثیہ نمبر ۱۶۱

ذوالجناح کا خبرِ شہادت لانا

جب ذوالجناح خیمہ میں آیا لہو بھرا
اور یہ کہا کہ بیبیوں کا سردار مر گیا
سب بی بیاں علیؑ کو پکاریں یہ غل مچا
بیڑا ہے ہم غریبوں کا منجدھار میں پھنسا
تم حلِّ مشکلات ہو شیر اللہ ہو
ایسا نہ ہو کہ کشتی ہماری تباہ ہو

آنے سے ذوالجناح کے اک حشر تھا بپا
ناگاہ آئے غارتِ خیمہ کو اشقیا
راوی نے یہ لکھا ہے وہ راہوار باوفا
خیمہ کے در کا روکے رستہ کھڑا ہوا
تیر سے عدو لگاتے تھے اس خوش خرام کو
لیکن نہ راہ دیتا تھا وہ فوجِ شام کو

زینبؑ درِ خیام سے دیتی تھی یہ صدا
کیوں بے زباں کو تیر لگاتے ہو اشقیا
ہے ذوالجناح مرکبِ پیغمبرِ خدا
زینبؑ کے سر کو کاٹو تو اس پر کرو جفا
اس کا گناہ کچھ نہیں یہ بے گناہ ہے
تم لوٹنے کو آتے ہو یہ سدِ راہ ہے

آنے دو کس طرح سے یہ ہے فاطمہؑ کا گھر اس گھر میں آیا تھا ملک الموت پوچھکر
بے وارثوں کو آہ ستاؤ نہ اس قدر میں تم کو لا دیتی ہوں جو کچھ ہے مال و زر

اس ذوالجناح پر نہ زیادہ جفا کرو
پانی دو بے زبان کو خوف خدا کرو

بولے عدو کہ پیاسا ہی ماریں گے اس کو ہم پانی دیا سوار کو اس کے نہ مرتے دم
رہوار سے جدا ہوئی زینبؑ بچشم نم حسرت سے ذوالجناح نے دیکھا بروئے غم

پانی نہ ظالموں نے دیا ذوالجناح کو
زینبؑ کے آگے ذبح کیا ذوالجناح کو

زینبؑ نے وا حسینؑ کہا سر کو پیٹ کر دوڑے عابدؑ بیکس وہ نوحہ گر
نیزہ لگا یا ایک ستمگر نے کھینچ کر! در آیا خیمہ گاہ میں سب لشکر عمر

کبرا تو خاک ملتی تھی چہرے پہ ہاتھ سے
کلثوم منہ چھپاتی تھی اپنا قنات سے

مقتل کی سمت دیکھ سینہ ہو بیقرار چلائی یا حسینؑ سکینہؑ ترے نثار
آؤ اگر سکینہ کو کرتے ہو دل سے پیار دیکھو کہ ہم پہ کرتے ہیں یہ ظلم بد شعار

پالا ہے تم نے مجھکو بھی اس التفات سے!
کھلوائیے طمانچہ نہ غیروں کے ہاتھ سے

مرثیہ نمبر ۶۲

عصر عاشور

جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیرؑ
بجز اصغرؑ نہ رہا نور نگاہ شبیرؑ
تھی فقط روح علیؑ پشت پناہ شبیرؑ
حق سے کہتے تھے کہ تو رہیو گواہ شبیرؑ
سر فدا کر کے شریک شہدا ہوتا ہوں
آج میں تیری امانت سے ادا ہوتا ہوں

اب نہ قاسمؑ مرا باقی ہے نہ اکبرؑ باقی
نہ علمدار سلامت ہے نہ لشکر باقی
بھانجے بیٹے بھتیجے نہ برادر باقی
اب فقط سر مرا باقی ہے اور اصغرؑ باقی
قتل اصغرؑ ہو مرا سر بھی جدا ہو جائے
اس امانت سے بھی شبیرؑ ادا ہو جائے

یا خدا تجھ پہ میں صدقے مرا لشکر بھی نثار
دل فدا جان فدا روح فدا سر بھی نثار
علی اکبرؑ بھی نثار اور علی اصغرؑ بھی نثار
تجھ پہ باقرؑ بھی فدا عابدؑ مضطر بھی نثار
میں نے جو کچھ ترے دربار سے پایا مولا
سب تری راہ میں خوش ہو کے لٹایا مولا

وہ کلیجے پہ دھرے ہاتھ پڑے ہیں اکبرؑ | ہے وہ عباسؑ دلاور وہ حسنؑ کا دلبر
ایک اک پیارے کو قربان کیا گن گن کر | کی امانت میں خیانت نہ ذرا اے داور
تو نے دولت تھی جو مجھ خاک نشیں کو سونپی
وہ امانت تری میں نے زمیں کو سونپی

قتل عباسؑ ہوئے میں نے ترا شکر کیا | پر کمر ہو گئی خم اس میں گلہ کیا میرا
نکلا اکبرؑ کا بھی دم اشک نہ نکلا میرا | کی بدی نانا کی امت نے نہ بد میں نے کہا
یہ تو بچے ہیں ترے میں بھی ترا بندہ ہوں
دشتِ غربت میں پریشان و غم آگندہ ہوں

تو نے بچپن میں کھلائے ثمرِ خلد بریں | اگرچہ تیسرا فاقہ ہے نہیں کچھ میں حزیں
چوسی بچپن میں زبانِ نبی عرش نشیں | آج اک بیٹے کو پانی نہیں تقصیر نہیں
ایک دن حلق تھا اور فاطمہؑ کے شیر کی دھار
آج راضی ہوں گلے پر جو ہو شمشیر کی دھار

دُرِ دندان مرے نانا نے تجھے نذر دیا | لے گئیں نذر کو پہلوئے شکستہ زہراؑ
سرخرو ہے ترے دربار میں بابا میرا | دل کے ٹکڑے ترے بھائی نے کئے تجھ پہ فدا
آج شبیرؑ بھی ان سب کے مقابل ہو جائے
سر اگر تیرے نثار کے قابل ہو جائے

ہے تو ہی شاہ شہنشاہوں کا اے بارِ خدا ‖ ہیں برابر تری سرکار میں سب شاہ و گدا
خاطرِ عاشق جانباز ہے البتہ رسوا ‖ اے خوشا حال ہوا مجھ سے ترا عشق ادا

حلق پر تیغ ہے سینہ پہ جلاد رہے
لب پہ ہو نام ترا دل میں تری یاد رہے

سرِ الفت کے یقیں ہے تجھے کو فنجائے ‖ پھر یہ محتاج بھلا نذر تری کیا لائے
تیر اصغر کو مگر ہاتھوں تک اب کھلوائے ‖ در پہ صبر جو باقی ہے وہ سب ہاتھ آئے

پیشکش لائی شہ اصغر تو بھلا لائے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں کیا آئے حسینؑ

بندہ پرور میں ہوں اک عبد غریب احقر ‖ بیکس و بے پدر و بے وطن و بے مادر
منزل ملکِ عدم میں تو مرا ہو رہبر ‖ نہ تو اس راہ سے آگاہ نہ منزل سے خبر

شوق بھی رغبت بھی مجھ کو تری درگاہ کا ہے
سامنا بندۂ ناچیز کو اللہ کا ہے!

تین دن تڑپا ہے پیاس کی شدت سے حسینؑ ‖ اب ہو سیراب تری قلزمِ رحمت سے حسینؑ
ڈر نہ جائے ملک الموت کی ہیبت سے حسینؑ ‖ یا خدا کانپتا ہے قبر کی دہشت سے حسینؑ

آج تک ساتھ رہا بیٹے کا اور بھائی کا
سخت اندیشہ ہے اب قبر کی تنہائی کا

ناگہاں آئی یہ آوازِ خدائے کونین | بس بہر بندۂ بیکس ہے مظلوم حسینؑ
شکر وہ کرتا ہے تو آج بصد شیون و شین | مجھ کو شرم آتی ہے اے فاطمہؑ کے نور العین
تشنہ کامی میں نہیں کام لبِ دریا سے
آفریں اے مرے جو بیش بہر کے پیاسے

اے حسینؑ اپنی ہی قدرت کی میں کھاتا ہوں قسم | تیرے غمخواروں کو محشر میں نہ کچھ ہوئیگا غم
سختیٔ غسل و موت ترے ہوئے گی کم | قبر ہے تعزیہ داروں کی ترے باغِ ارم
تو عبث موت کی سختی سے ہراساں ہے حسینؑ
ملک الموت ترا تابعِ فرماں ہے حسینؑ

بس یہی ہے ملک الموت کے آنے کا مآل | کہ تری روح کا واجب ہے اُسے استقبال
بے ترے حکم ہلانے کا نہیں وہ پر و بال | سب خدائی تری محکوم ہے زہراؑ کے لال
راہِ حق میں تجھے ثابت قدمی ہے شبیرؑ
میرے دربار میں کس شے کی کمی ہے شبیرؑ

واہ کس درجہ خوش خالقِ اکبرؑ کو کیا | وہ اپنا ہی تھا پر نذر بہتّر کو کیا
مرحبا تم نے پیارا علی اکبرؑ کو کیا | پیشکش کس لئے تجویز اب اصغرؑ کو کیا
نذر مقبول ہے آؤ ہمیں دے جاؤ حسینؑ
میرے دربار سے جو چاہو وہ لے جاؤ حسینؑ

حلّے فردوس کے بانٹے گا تو ہی روزِ جزا | پر کفن تیرے جنازہ کو نہیں ملنے کا
بلکہ پامال ترا لاشۂ بے سر ہوگا | وحشتِ قبر سے اے سبطِ نبیؐ تم کو کیا
خاک سے لاشۂ مجروح اٹھائے گا خدا!
پہلوئے عرش میں پاس اپنے جگہ دیگا خدا

عرش کو تھامے ہوئے رہیو تو تا روزِ شمار | بھیجیو اپنے محبوں کیلئے استغفار
اپنے ناناؐ کی بھی امت کے تمھیں ہو مختار | چاہو جنت دو انھیں چاہو کرو داخلِ نار
مجھ بن خدا اور کوئی کیا تری عزت جانے
ہم نے مالک کیا تم جانو اور امت جانے

بولے شہ سن کے یہ فرمانِ خدا کا مضمون | سب تری بندہ نوازی ہے میں کس لائق ہوں
خوں بہا کیسا مجھے تو نہیں کچھ دعوئے خوں | کیا مرا رتبہ جو مختاریِ محشر میں کروں
بس یہ کافی ہے کہ مقبول شہادت ہوئے
تو رضامند ہوا اور بخششِ امت ہوئے

یاں تو یہ عاشق و معشوق میں ہوتے تھے کلام | ہائے اصغر کا ہوا شور جو مابینِ خیام
ہوئی تشویش تو مڑ مڑ کے لگے تکنے امام | دیکھا سر پیٹ کے چلاتی ہے بانوئے ناکام
ساتھ یہ ننھا مسافر بھی مرا چھوڑتا ہے
آؤ صاحب مرا بچہ یہاں دم توڑتا ہے

شہ نے اصغر کو لیا آن کے بولے تم رو | کیا یہاں تو نے ہو لو پاس تم اکبر کے چلو
بیٹا مر تے ہو تو امت پہ فدا ہو کے مرو | پوچھا بانو سے تم اب ہمیں کہو کیا کہتی ہو

بولی ہر طرح سے راضی ہوں جو ارشاد کرو
چاہے ویراں کرو چاہے مجھے آباد کرو

سوز

سحر کے ڈوبتے تارے سلام کہتے ہیں — اُبلتی نہر کے دھارے سلام کہتے ہیں
خلیلِ حق کے اشارے سلام کہتے ہیں — کلامِ پاک کے پارے سلام کہتے ہیں

جبیں دہر کا سجدہ سلام کہتا ہے

ہر اک کو کھو دیا اور حق کو پا لیا تم نے — وفا و مہر کا جادہ بنا لیا تم نے
ضعیف قلب کا زور آزما لیا تم نے — جوان بیٹے کا لاشہ اٹھا لیا تم نے

لہو بھرا ہوا نیزہ سلام کہتا ہے

اجل کی گود سے اصغر سلام کہتے ہیں — اندھیری قبر سے اکبر سلام کہتے ہیں
نبی رسول پیمبر سلام کہتے ہیں! — چراغ و مسجد و منبر سلام کہتے ہیں

حسین تم کو مدینہ سلام کہتا ہے

مرثیہ نمبر ۶۳

عصرِ عاشور

عباسؑ کے حصے میں فاتحؑ نے عطا کی | کیا شرطِ علمداری و سقائی ادا کی
اُسنے تو بدل خدمتِ شاہِ شہدا کی | اور بیوۂ عباسؑ نے بانو سے وفا کی
بانوؑ کی اطاعت میں کمربستہ سدا تھی
سجادؑ پہ کبرا پہ سکینہ پہ فدا تھی

غارت کو جو آئے درِ خیمہ پہ ستمگار | تب شمر پکارا کہ یہاں رہیو خبردار
اس خیمہ میں ہے بیوۂ عباسؑ علمدار | مشہور ہے یہ میری بہن کی ہے وہ ناچار
غیرت مجھے آتی ہے اُسے لٹنے نہ دوں گا
بے خوف ردا زینبؑ و کلثومؑ کی لوں گا

یہ کہکے درِ خیمہ پہ چلایا وہ بے پیر | اے بیوۂ عباسؑ علیؑ صاحبِ توقیر
اب ہونگے سرِ ننگے یہ سب عترتِ شبیرؑ | اور حضرتِ زہراؑ کی بہو ہووے گی تشہیر
پر تم مری خواہر کی بہو ہو یہ ادب ہے
تشہیر جو تم ہو سرِ بازار غضب ہے

سن لی یہ صدا زینبؑ بیکس نے قضا را | بیساختہ عباسؑ کی بیوہ کو پکارا
لو بھابھی بنا شمر طرفدار تمھارا | اچھا تو ہے اس وقت کرو ہم سے کنارا
وارث نہیں بیوا زنوں کی دیکھئے کیا ہو
دکھ سے جو تمھیں چین ملے ہم سے جدا ہو

بھر بھر کے دم سرد کہی بانو نے یہ بات | ہاں بھابھی لٹو کا ہے کو بیوا زنوں کے ساتھ
برگشتہ نصیبوں سے کرو ترک ملاقات | کنبہ کی محبت میں نہ ہو مورد آفات
یہ دشمن دیں باندھنے لگے اب ہاتھ ہمارے
کیا فائدہ جو قید ہو تم ساتھ ہمارے

مانو نہ برا تم مرے سمجھانے کو بھابھی | یوں جانے سے رشتہ نہیں چھٹ جانے کا بھابھی
یہ وقت گیا ہاتھ نہیں آنے کا بھابھی | زنداں سے کوئی نہیں چھڑوانے کا بھابھی
ہو گی وہ جفا ہم پہ کہ افلاک ہلیں گے
اللہ ملائیگا تو پھر تم سے ملیں گے

گھبراؤ سکینہ سے تم الفت میں ہو افزوں | روکوں جو تمھیں کس کے سہارے پہ رہوں کوں
حضرت نہیں اکبر نہیں اک عابد محزوں | سو تشنہ ہیں خون اُسکے بھی ہیں ظالم ملعون
اس دم تو مصیبت میں تباہی میں حرم ہیں
بروقت ملاقات وہی تم وہی ہم ہیں

مجھ میں تو نہیں ہوش اب انکو تمھیں بہلاؤ | بیوہ رفیقی بھاوج کی اسیری کا نہ غم کھاؤ
تم جاؤ تو اے بھابھی سکینہ کو بھی لیجاؤ | لپٹاؤ کلیجہ سے اُسے گود میں بٹھلاؤ

پاس آپ کے یہ لاڈلی میری جو رہے گی
ظالم کے طمانچوں کی تو ایذا نہ سہے گی

اصغر کو بھی تم اپنا ہی فرزند بتانا | ممکن ہو تو ننھی سی لحد اُسکی بنانا
موقع جو سفارش کا میں صدقے گئی پانا | بیمار بھتیجے کو اسیری سے بچانا

جو ہو سکے سیدانیوں سے کیجیو بھابھی
زنداں سے زینب کو چھڑا دیجیو بھابھی

بانو کے گلے لپٹا علمدار کا دلدار | بولا کہ چچی ہم تمھیں چھوڑیں گے نہ زنہار
یہ جائیں جہاں جائیں ہمیں تم سے سروکار | ماں اپنی ہیں مختار ہماری نہیں مختار

ماں نے کہا خاموش میں قربان ہوں پیارے
کہنے دو چچی کو میں کہاں جاتی ہوں پیارے

یہ کہہ کے گری بانو کے قدموں پہ وہ ناشاد | تھراتی تھی اور کہتی تھی اے مادرِ سجّاد
تقصیر ہوئی کیا جو کئے دیتی ہو آزاد | ہے ہے یہ مرے حق میں کیا بی بی نے ارشاد

مجھ سی نہ کوئی اہلِ وفا ہوئیگی لونڈی
ان قدموں سے اب کے جدا ہوئیگی لونڈی

ہمراہ مرے فضّہ کو کر دیجئے اس دم | دہرایا یہ بی بی نے جواب اُس کا جو دیں ہم
فضّہ کو لئے ساتھ گئی در پہ وہ پُرغم | آواز قدم سُن کے کیا شمر نے سر خم
حضرت سے لیا نام جو عباسؑ علی کا
بے رحم نے پُرسا دیا عباسؑ علی کا

پُرسیدۂ عباس کو وقفہ ہوا دُشوار | چلّائی جو کہنا ہو وہ کہہ جلد ستمگار
کیا شہ کا گلا کاٹ کے دھوئی نہیں تلوار | پھرتی ہے چھُری میرے کلیجہ پہ ہر اکبار
اب رُوح بدن میں مرے تھراتی ہے ظالم
حضرت کے لہو کی مجھے بو آتی ہے ظالم

یہ سُن کے مخاطب ہوا وہ ظلم کا بانی | افسوس علمدار حسینؑ کی جوانی
سقائی بھی کی اور نہ میسر ہوا پانی | عباسؑ نے تو خیر مری بات نہ مانی
تم بانوئے شبیرؑ سے اب جلد جُدا ہو
نزدیک ہے بے پردگئی آلِ عبا ہو

عباسؑ کا لاشہ ہے جہاں پر لبِ دریا | اک خیمہ وہیں آپ کی خاطر ہے مہیّا
اس خیمے میں اب جائیے وقفہ نہیں اچھا | آواز دی وہ بس جا ہے علمدار کا بیٹا
لے آؤ اثاثہ جو تمہارا ہو حرم میں
شبیرؑ کی مسند بھی جلے گی کوئی دم میں

پیدا ہوئی ناگاہ یہ آوازِ علمدار | ہاں اے مری بیوہ مری مونس مری غمخوار
شبیر کا قاتل تجھے بہکاتا ہے ہشیار | بانو سے سکینہ سے نہ منھ موڑیو زنہار
ہرگز نہ سمجھنا کہ علمدار نہیں ہے
ہر وقت مری رُوح سکینہ کے قریں ہے

تب شمر لعیں سے وہ بولی کہ اے شاہ کے قاتل | بجلی ترے خیمہ پہ گرے قہر ہو نازل
دائی کو مرے قرب ہے شبیر کا حاصل | جلنا مجھے یاں سہل ہے واں جانا ہے مشکل
مجھ کو ہے رنڈاپا یہیں بھرنا یہیں رہنا
کچھ ہو یہیں جلنا یہیں مرنا یہیں رہنا

یہ سُن کے پشیماں جو ہوا شمرِ ستمگار | لشکر کو غضب ہو کے پکارا وہ جفا کار
ہاں آگ لئے آؤ نہ وقفہ کرو زنہار | پہلے تو جلا دو یہ خیامِ شہِ ابرار
پھر لوٹ لو بیخوف و خطر خیمہ میں سب کو
بے پردہ کرو پردہ نشینانِ عرب کو

یہ سنتے ہی لشکر در خیمہ میں در آیا | سیدانیوں کو لوٹ لیا خیمہ جلایا
نیزہ کی انی مار کے عابد کو اٹھایا | بن باپ کی بچی کو طمانچہ بھی لگایا
زینب کا یہ عالم تھا کہ بیہوش پڑی تھی
بانو کو یہ حیرت تھی کہ خاموش کھڑی تھی

چھنتی تھی اُدھر پاؤں سے زینب کے تو خلخال | جلتی تھی اِدھر خیمۂ سلطان خوش اقبال
باقر کو اُدھر کھینچتا تھا کوئی بدافعال | رخسارِ سکینہ تھے طمانچوں سے ادھر لال

جھولے سے نہ اُٹھنے کے جدا ہوتی تھی بانو
سینے کے تلے جھولا تھا اور روتی تھی بانو

کہتی تھی نہ جھولا مرے بچے کا جلاؤ | سب کعبہ ہے پڑا آگ جہاں چاہو لگاؤ
کہتی تھی سکینہ کوئی بابا کو بلاؤ | سقائے سکینہ کو کوئی نہر سے لاؤ

گھر میں ہے لگی آگ بجھاتے نہیں بابا
ہے ہے مرا دم گھٹتا ہے آتے نہیں بابا

سوز

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے | سجدوں میں بہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سفیدی کو سحر کی شہِ دیں نے | مڑ کر رُخِ اکبر پہ نظر کی شہِ دیں نے

فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا!
اب اٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

مرثیہ نمبر ٦٢

شامِ غریباں

جب رن میں قتل ہو چکا مظلوم کربلا — لشکر نے آکے تب پسرِ سعدؔ سے کہا
لڑتے ہوئے صبح سے تو یہ وقت ہو گیا — کھولیں کمر کو اپنی اگر حکم ہو ترا
دن کٹ گیا لڑائی میں ہے وقت چین کا
اب خوف کیا ہے کاٹ چکے سر حسینؑ کا

یہ سُن کے بولا فوج سے وہ نطفۂ حرام — سر کٹ گیا حسینؑ کا قصّہ ہوا تمام
لیکن ابھی یہ باقی ہے تھوڑا سا ایک کام — اب لوٹ کر حرم کو جلا دو یہ سب خیام
کوئی ڈرو نہ بیبیوں کے شور و شین سے
کھولو کمر کو کھاؤ پیو سو و چین سے

سُنتے ہی اس کلام کے وہ قوم اشقیا — اسباب لوٹنے لگے خیمہ جلا جلا
اہلِ حرم پکارتے تھے وا محمّدا — گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے بچے جدا جدا
خیمے جلا کے لوٹی بضاعت امام کی
شب باشِ قتل گہ میں ہوئی فوج شام کی

فضہ سے تب یہ زینبؑ ناشاد نے کہا — جا کر تو ابن سعد کو پیغام دے مرا
گزرے ہیں تین روز کہ پانی ہے نہ غذا — بچے ہمارے غش میں پڑے ہیں جدا جدا

اک خیمہ بھیج دے حرم خوش صفات کو
بچوں کو لیکے بیٹھ رہیں اس میں رات کو

فضہ نے اس شقی کو اسی دم دیا پیام — اک خیمہ اس نے بھیجا حرم کو باہتمام
زینبؑ نے بیبیوں سے یہ اس دم کیا کلام — بچوں کو لیکے خیمہ میں اس دم کرو قیام

مجھ سے تو ہوگا جس طرح شب کاٹ لونگی میں
خیمہ کے گرد پھر کے حفاظت کرونگی میں

القصہ بیٹھیں خیمہ میں بی بیاں بحالِ زار — بیٹھیں مگر نہ حضرت زینبؑ جگر فگار
خیمے کے گرد پھرنے لگیں ہو کے بے قرار — گزری تھی نصف شب کہ نظر آیا اک سوار

دیکھا جناب زینبؑ عالی وقار نے
خیمہ کی سمت رخ ہے کیا اُس سوار نے

بڑھ کر پکاریں حضرت زینبؑ جگر فگار — آگے قدم بڑھے خبردار ہوشیار
اب اس جگہ ہیں عترت محبوبؐ کردگار — خیمہ کی سمت آگیا پھر بڑھ کے وہ سوار

غصہ جو آیا زینبؑ عالی مقام کو
جا کر قریب گھوڑے کی پکڑا لگام کو

فرمایا کچھ نہیں ہے تجھے خوفِ کبریا　زوجِ رسولؐ سے بھی نہیں تجھکو کچھ حیا
اب کیا ہمارے پاس ہے جو کچھ تھا لُٹ چکا　آکر شبیہؐ کو لوٹنا گر ہے یہی رضا

بچوں کو ہول آئے گا یہ شب مُہیب ہے
ہم بھی یہیں ہیں اور سحر بھی قریب ہے

اُس وقت اُس سوار نے زینبؑ سے یہ کہا　خیمہ میں جا کے بیٹھئے تو اے غم کی مبتلا
میں آ کے پاسبان بنوں تیرے خیمے کا　زینبؑ نے پوچھا رحم کا تیرے سبب ہے کیا

یہ تو بھلا مُحبِّ رسولِ انام ہے
بتلا مگر شتاب کہ کیا تیرا نام ہے

اے شخص واسطہ تجھے پرودگار کا　اے شخص واسطہ تجھے دُلدُل سوار کا
اے شخص واسطہ ہے رسولِؐ کبار کا　ہے واسطہ حسینؑ غریب الدیار کا

آرام و چین اب نہیں مجھ دلِ کباب کو
دکھلا دے شکل مجھ کو اُلٹ کر نقاب کو

سُنکر سوار ہو گیا تصویرِ بے قرار　اور پھینک دی نقاب اُلٹ کر بس یکبار
کیا دیکھتی ہیں حضرت زینبؑ جگر فگار　گھوڑے کی پُشت پر ہیں علیؑ ولی سوار

یہ دیکھ کر نہ ضبط ہوا دلِ کباب کو
کرنے لگی یہ بین اُلٹ کر نقاب کو

جس دم مٹی شبیہ پیمبر کہاں تھے آپ　　جس دم چھدی تھی گردنِ اصغر کہاں تھے آپ
جس دم ہوا تھا قاسم مضطر کہاں تھے آپ　　جس دم مٹی نشانیٔ جعفر کہاں تھے آپ

پھرتا رہا حسین پہ خنجر خبر نہ لی
اک دو پہر میں لُٹ گیا سب گھر خبر نہ لی

ابنِ بتولؑ ہو گیا بے سر خبر نہ لی　　پامال ہو گیا تنِ اطہر خبر نہ لی
چھینے گئے سکینہؑ کے گوہر خبر نہ لی　　سر سے اُتر گئی مِرے چادر خبر نہ لی

سینہ پہ جب حسینؑ کے قاتل سوار تھا
اس وقت کس جگہ پہ شہ ذوالفقار تھا

مرثیہ نمبر ۶۵

شامِ غریباں

جب رن میں بوستانِ پیمبر ہوا تباہ　　نقدِ حیاتِ نائبِ حیدر ہوا تباہ
سیدانیاں تباہ ہوئیں گھر ہوا تباہ　　سردار قتل ہو گیا لشکر ہوا تباہ
مجبور فوج میں حرمِ محترم ہوئے
شب باش قتل گاہ میں اہلِ ستم ہوئے

اک خیمہ تب علیحدہ رن میں ہوا بپا　　اُسمیں ہوئے مقیم اسیرانِ کربلا
اس شب کا راویوں نے یہ لکھا ہے ماجرا　　بے آب و بے طعام تھے سب آلِ مصطفےٰ
آسائشِ طعام تھی ہر بد خصال کو
اور فاقہ تیسرا تھا محمدؐ کی آل کو

یہ رسم ہے عرب کی میں آگاہ جس سے سب　　قومِ عرب میں مرتا ہے جن کا عزیز جب
کھانا اُسے کھلاتے ہیں سمجھا کے سب عرب　　اور حاضری بھی بھیجتے ہیں گھر میں وقتِ شب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتولؑ کا
فاقہ نہ ٹوٹا آج بھی آلِ رسولؐ کا

سردار پھر گئے پسرِ سعد سے تمام اور آکے ابنِ سعد سے کرنے لگے کلام
جی چاہتا ہے کہ مٹا دیں ترا بھی نام ناحق تری صلاح سے کاٹا سرِ امام
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سید کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

یہ ذکر تھا جو ایک خبردار بول اٹھا ہاں سنیے تم ہے امیر وقت اب حرم کے جا
اسلام میں ان کے خیمے کے نزدیک جو گیا ننھی سی ایک لڑکی نے کھانا طلب کیا
مادر نے رو دیا تو وہ بے آس ہو گئی
آخر وہ کھانے کے لئے رو رو کے سو گئی

بولا یہ ابن سعد کہ لیجاؤ تم شتاب چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک نے یہ عمر کو دیا جواب کس منہ سے آگے جائیں کہ ان سے ہمیں حجاب
پیاؤں کو ان کے سامنے نیزے لگائیں ہم
اور حاضری بھی ان کے لئے لیکے جائیں ہم

بولا عمر یہ شمر سے تو جا بہ انکسار عباسؑ کا تو آپ کو کہتا ہے رشتہ دار
اس نے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شرمسار زینبؑ کے آگے سینۂ شہؑ پر ہوا سوار
میں نے کیا شہید شہِ مشرقین کو
میں نے طمانچہ مارا یتیمِ حسینؑ کو

انکار جبکہ جانے میں اک ایک نے کیا   پھر تو عمر نے زوجۂ حُر کو طلب کیا
بولا کہ کھانا لیکے تو اہل حرم میں جا   کرنا مری طرف سے بہت عذر و التجا
شوہر ترا ہے فدیۂ شہ مشرقین کا
دینا تو شہربانو کو پُرسا حسینؑ کا

جانے پہ مستعد ہوئی جب وہ باوفا   ہمراہ اُس کے خواہر ہاشم کو بھی کیا
ہاشم بھی ایک فدیۂ آل رسولؐ تھا   ساتھ اُس کے عورتیں تھیں بہتر پیادہ پا
خوانوں کے گرد و پیش پیادے تمام تھے
مشعل کی روشنی میں وہ خوانِ طعام تھے

تھی آگے آگے زوجۂ حُر شہ کی دوستدار   بر خیمۂ حرم کے جو در تک ہوا گذار
کچھ روشنی بھی خیمے میں پائی نہ زینہار   دیکھا کہ ایک بی بی ہے ڈیوڑھی پہ بیقرار
یہ بات کہتے ہوتی ہے مشغولِ آہ میں
اصغر ہے قتل گاہ میں میں خیمہ گاہ میں

مشعل کی روشنی میں جو زینب کی نگاہ   بولی کہ لو پھر آئی ہمیں لوٹنے سپاہ
پھر اس طرح پکاری ہوا ہم سے کیا گناہ   لوگو ڈرو خدا کے غضب سے یہ کیا ہے آہ!
کوئی بھی پوچھتا نہیں اس واردات کو
لوٹے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو!

گر اور کچھ گماں ہو تو کر لو ہمیں شمار — بھاگا نہیں ہے کوئی تمہارا گناہگار
موجود ایک جا ہیں تمہارے قصوروار — بہتر ہے ہم سبھوں کو کرو قتل ایکبار
کل ہم کو لوٹ لیجیو اب کیا ضرور ہے
بلے قیدی بھاگے جاتے ہیں صبح دور ہے

یہ بات سن کے زوجۂ حُرِّ رضی خوب سا — پردہ اٹھا کے خیمہ میں آئی وہ باوفا
ہمراہ ساری عورتیں کرتی ہوئیں بکا — خوانِ طعام رکھ دیئے خیمہ میں جابجا
سب عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
زینب نے سر جھکا لیا اپنا حجاب سے

زینبؑ پھر اپنے دل کو یہ دینے لگی خبر — ان خوانوں میں نہ لائے ہوں شہیدوں کے ہوں گے سر
ناگاہ بولی زوجۂ حُر پاس آن کر — لونڈی سلام کرتی ہے بی بی کرو نظر
میں عاشقِ حسینؑ کنیزِ بتولؑ ہوں
میں زوجۂ سپاہِ سبطِ رسولؐ ہوں

آیا زبانِ زوجۂ حُر پر جو یہ کلام — تعظیم کو کھڑی ہوئیں وہ خواہرِ امام
بولی تو حُر کی زوجہ ہے اے بی بی نیکنام — حق سمجھے حُرؑ کو واہ عجب کر گیا ہے کام
پہلے خبر نہ تو نے کی زہراؑ کی جائی کو
سر ننگے آتی در پہ تری پیشوائی کو

یہ کہہ کے اس کو اپنے برابر بٹھالیا ۔ پلّہ نہ تھا جو ڈھانپ کے منہ روتی خوب سا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگی رونے اور کہا ۔ پرسا میں حرملہ کا دیتی ہوں تم کو میں دھرا
وہ رو کے بولی نام نہ لو اس غلام کا
میں تم کو دینے آئی ہوں پرسا امام کا

زینبؑ نے رو کے زوجۂ حُر سے یہ پھر کہا ۔ بارے تمھارے آنے کا ہاں کیا سبب ہوا
کی عرض اس نے لونڈی کی قسمت بُری تھا ۔ بھیجے میاں ابن سعد نے یہ خوان پُر غذا
کھانے سے اس کے کھانے کے ہمراہ آئی ہوں
یہ حاضری حسینؑ کی ہمراہ لائی ہوں!

سنتے ہی نام حاضری شاہِ بے کفن ۔ زینبؑ کا سینہ جل گیا تھرا گیا بدن
بولی کہ ہائے اے مرے ماں جائے بے وطن ۔ اس حاضری کے کھانے کو جیتی رہی بہن
دنیا میں یادگار ہوا سانحہ مرا
تم نے نہ ہاتھ اٹھا کے دیا فاتحہ مرا

یہ بین کر کے زوجۂ حر سے کیا خطاب ۔ کھانا تو لے کے آئی تجھے بھی ہوا ثواب
اب دل کو مطلقاً نہیں ذوقِ طعام و آب ۔ کھایا ہے غم عزیزوں کے مرنے کا بے حساب
ہم سب حسینؑ پیاسے کے ماتم میں روتے ہیں
کس کو کھلائیں بچے تو اس وقت سوتے ہیں

انصاف کر تو پانی ہیوں کیا میں خستہ جاں   بیٹھی نظر ہے بھائی کی سوکھی ہوئی زباں
پیاسا مُوا حسینؑ کا فرزند نوجواں   کیا ایڑیاں رگڑتا تھا اصغر بھی الاماں

جب تک قضا نہ آئیگی مجھ بے حواس کو
روؤں گی پیاسے بھائی کو اور اُسکی پیاس کو

وہ بولی کوئی عُذر زباں پر نہ لائیے   فاقہ کو توڑنے کے لئے کچھ تو کھائیے
ان بھوکے پیاسے بچوں کو بھی اب جگائیے   اِک اِک نوالہ بی بیوں کو بھی کھلائیے

اب فاقہ توڑ دو روحِ شبیر کے واسطے
پانی بھی پی لو ساقیٔ کوثر کے واسطے

زینبؑ کو تھا جو زوجۂ حُر کا کمال پاس   سجاد کو پکاری ذرا آؤ میرے پاس
ہنگامِ ذبح کہتے تھے بھائی بحال یاس   پانی ملے تو بھول نہ جانا ہماری پیاس

دی فاتحہ حسینؑ کا پانی کے جام پر
صدقے میں اُنکی پیاس پہ اور اُنکے نام پر

مرثیہ نمبر ۶۶

واقعاتِ شامِ غریباں

جب ہو گیا شاہِ سفینۂ نجات کا | اور ناخدا کبھی غرق ہوا کائنات کا
تھا کشتیٔ فلک کو نہ یارا ثبات کا | بے آب خشک ہو گیا چشمہ فرات کا
کوثر کے قطرے قطرے سے شور و فغاں ہوا
دریا کی موج موج سے طوفاں عیاں ہوا

کرتے ہیں راویانِ جگر سوز یہ کلام | اس لوٹ میں وہ چار گھڑی دن ہوا تمام
لشکر سے ابن سعد یہ بولا بوقت شام | منظور ہے ہمیں کہ یہیں آج ہو قیام
اک خیمہ ایستادہ حضور نگاہ ہو
شب باش اس میں آلِ رسالت پناہ ہو

تب خیمہ اک علیحدہ نصب ہوا بپا | اس میں ہوئے مقیم اسیرانِ کربلا
تقسیم اہلِ شام میں ہونے لگی غذا | ہر قسم کے طعام مہیا تھے جا بجا
آسائش تمام تھی ہر بدخصال کو
اور فاقہ تیسرا تھا محمدؐ کی آل کو

سردار پھر گئے عمر سعد سے تمام | اور آکے ابن سعد سے کرنے لگے کلام
کیا چاہتا ہے کب مٹا دیں ترا بھی نام | ناحق تری صلاح سے کاٹا سر امام
تجھ سے شقی کا ساتھ دیا آہ کیا کیا
سید کا ہم نے خون کیا آہ کیا کیا

یہ رسم ہے عرب میں ہیں آگاہ اس سے سب | قوم عرب میں مرتا ہے جس کا عزیز جب
کھانا اسے کھلاتے ہیں سمجھ کے سب عرب | اور حاضری بھی بھیجتے ہیں اسکے گھر میں سب
بھوکا ہے تین روز سے کنبہ بتول کا
فاقہ نہ ٹوٹا آج بھی آل رسولؐ کا

یہ ذکر تھا کہ ایک خبردار بول اٹھا | ہاں آج تو ہے اسیروں کو رنج کیا بے جا
اس دم میں ان کے خیمے کے نزدیک تھا کھڑا | ننھی سی ایک لڑکی نے کھانا طلب کیا
یہ سن کے ان کی ماں روئی وہ بے آس ہو گئی
کھانے کے واسطے ابھی رو رو کے سو گئی

بولا یہ ابن سعد کہ لیجاؤ تم شتاب | چالیس خوان کھانے کے اور سرد جام آب
تب ایک نے یہ عمر کو دیا جواب | کس منہ سے آگے جائیں ہمیں ان سے ہے حجاب
پیاسوں کو ان کے سامنے نیزے لگائیں ہم
اور حاضری بھی ان کے لئے لیکے جائیں ہم

بولا عمر یہ شمرِ لعیں سے تو جا بہ انکسار | عباسؑ کو تو خود ہی تو کہتا ہے رشتہ دار
اس نے کہا میں سب سے زیادہ ہوں شرمسار | زینبؑ کے آگے سینۂ شہ پر ہوا سوار
میں نے کیا شہید شہِ مشرقین کو
میں نے طمانچے مارے یتیمِ حسینؑ کو

انکار جبکہ جانے میں اک اک سے سنا | اُس دم عمر نے زوجۂ حُرؑ کو طلب کیا
بولا یہ کہنا نہ لیتے تو اہلِ حرم میں جا | کرنا مری طرف سے بہت عذر و التجا
شوہر ترا ہے فدیۂ شہِ مشرقین کا
دینا تو شہر بانو کو پُرسہ حسینؑ کا

جانے پہ مستعد ہوئی جس دم وہ باوفا | ہمراہ اُسکے خواہرِ ہاشم کو بھی کیا
ہاشم بھی ایک فدیۂ سبطِ رسولؐ تھا | ساتھ اُسکے عورتیں تھیں بہتر پیادہ پا
خواہر کے گرد و پیش وہ پیادہ تمام تھے
مشعل کی روشنی میں وہ خوانِ طعام تھے

تھی آگے آگے زوجۂ حُر شہ کی دوستدار | ہر خیمۂ حرم کے جو در پہ ہوا گذر
کچھ روشنی کبھی خیمہ میں پائی نہ زینہار | دیکھا کہ ایک بی بی بہت ہی ہے سوگوار
یہ بات کہکے ہوتی ہے مشغول آہ میں
اصغرؑ ہیں قتل گاہ میں ہیں خیمہ گاہ میں

مشعل کی روشنی پہ جو زینب نے کی نگاہ | بولی یہ کس سبب سے لوٹنے آئی ہیں سپاہ
پھر اس طرح پکاری تمھیں کیا ہوا ہے آہ | لوگو ڈرو خدا سے ہوا ہم سے کیا گناہ
کوئی بھی پوچھتا نہیں اس واردات کو
سوئے ہوؤں کو لوٹنے آئے ہو رات کو

بچے ہمارے تنگ ہوئے تھے ابھی غذا | بہلا کے ان بھوکوں کو دیا ہے ابھی سلا
ضامن خدا ہے ہم نہیں کرنے کے کچھ دغا | ہے فوج میں تمھارے سر شاہ کربلا
اس سے منھ چھپا کے کسے منھ دکھائینگے
قرآن بیچ میں ہے نہ ہم بھاگ جائینگے

یہ باتیں سن کے زوجۂ حر رونی خوب سنا | پردہ اٹھا کے خیمہ میں آئی وہ باوفا
ہمراہ ساری عورتیں کرتی ہوئی بکا | خوان طعام رکھ دیے خیمہ میں جابجا
سب عورتوں کی شکل تھی پنہاں نقاب سے
زینب نے سر جھکا لیا اپنا حجاب سے

زینب پھر اپنے دل کو لگی دینے یہ خبر | ان خوانوں میں یقین ہے شہیدوں کے ہونگے سر
ناگاہ بولی زوجۂ حر پاس آن کر | لونڈی سلام کرتی ہے بی بی کرو نظر
میں عاشق حسین کنیز بتول ہوں!
میں زوجۂ حر فدائے سبط رسول ہوں

آیا زباں زوجۂ حُر پر جو حسینؑ کا نام | تعظیم کو کھڑی ہوئی وہ خواہرِ امام
بولیں تو حُر کی زوجہ ہے اے بی بی نیک نام | حق بخشے حُر کو واہ عجب کر گیا ہے کام

پہلے خبر نہ تو نے کی زہراؑ کی جائی کو
غم گئے آتی در پہ تری پیشوائی کو

یہ بین کر کے اس کو برابر بٹھا لیا | بولا نہ تھا جو ڈھانکے منھ روتی خوب سا
آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے لگی کرنے یہ بکا | پُرسا میں حُر کا دیتی ہوں تم ساتھ دو مرا

وہ رو کے بولی نام نہ لو اُس غلام کا
میں تم کو دینے آئی ہوں پُرسا امام کا

یہ بین سُن کے زوجۂ حُر سے یہ پھر کہا | بولو تمہارے آنے کا یاں کیا سبب ہوا
کی عرض میں نے لونڈی کی قسمت کہاں رسا | بھیجے ہیں ابنِ سعد نے یہ خوان پُر غذا

کہنے لگی سنو کہ کھانے کے ہمراہ آئی ہوں
میں حاضری حسینؑ کے مرنے کی لائی ہوں

سُنتے ہی نام حاضری شاہِ بے کفن | زینبؑ کا قلب ہل گیا تھرا گیا بدن
بولی کہ ہائے مر گئے ماں جائے بے وطن | اس حاضری کے کھانے کو جیتی رہی بہن

دُنیا میں یادگار رہا سانحہ ترا!
ہم نے نہ ہاتھ اُٹھا کے دیا فاتحہ ترا

وہ بولی کوئی عذر زباں پر نہ لائیے　　فاقہ کے توڑنے کیلئے کچھ تو کھائیے

ان بھوکے پیاسے بچوں کو اب تو جگائیے　　اک اک نوالہ آل نبیؐ کو کھلائیے

اب فاقہ توڑ دو روحِ شبیرؑ کے واسطے

پانی بھی پی لو ساقیٔ کوثرؑ کے واسطے

القصّہ کا فاتحہ پانی پہ جب ہوا　　زینبؑ کی وہ آہ کہ محشر بپا ہوا

شانہ ہلا کے سکینہؑ کا یہ کہا　　پانی ہے تو اٹھو پھوپھی تم پہ ہو فدا

جاگو! ابھی تو واسطے پانی کے روتی تھیں

کل تم اپنے بابا کی چھاتی پہ سوتی تھیں

سوز

مشکلکشا کی آل پہ وہ وقت بیکسی　　مر جائے جان فاطمہؑ پہ سارے سے کوئی

اک غم نصیب عمر تھی یہ ایک شب تھی　　اس درد کی کسک دل فطرت میں رہ گئی

وہ سوز وہ گداز نمایاں ہے آج تک

اس دن کی شام شام غریباں ہے آج تک

مرثیہ نمبر ۶۷

شامِ غریباں

کربلا میں شہ والا کے حرم لٹتے ہیں
فاقہ کش تشنہ دہن کشتۂ غم لٹتے ہیں
دشتِ غم میں گرفتارِ ستم لٹتے ہیں
شور برپا ہے یہ رانڈوں میں کہ ہم لٹتے ہیں
قتلِ وارث ہوئے سامان گرفتاری ہے
یا علی آؤ کہ اب وقت مددگاری ہے

ہے یہ فریاد کسی کی کہ برادر دوڑو
کوئی چلاتی ہے عباسؑ لاور دوڑو
کوئی کہتی ہے تڑپ کر مرے دلبر دوڑو
ماں لٹی جاتی ہے دوڑو علی اکبرؑ دوڑو
دیکھو خونخوار عدو برچھیاں کھلاتے ہیں
تیغ کھینچے ہوئے کعیں گھر میں چلے آتے ہیں

اس کی جانب سے تم ایسے ہوئے غافل مرے لال
کہ نہ لٹنے کی خبر ہے نہ اسیری کا خیال
کب سے چلاتی ہے مادر کھلے کھولے ہوئے بال
اسے آتے نہیں تقریر مجھے صدمہ ہے کمال
اس مصیبت میں نہ آؤ گے تو کب آؤ گے
سر سے چادر مرے چھن جائیگی جب آؤ گے

دھیان پردیسی کا بہت تھا تمہیں اُس دکھیا کے | لوٹنے دیتے تھے گھر میں کبھی چِلّا کے
آج اس ماں کا ذرا حال تو دیکھو آ کے | سر جھکائے ہوئے بیٹھی ہوں میں مجلس میں اعدا کے

تم تو سوتے ہو خبر ہو تمہیں کیونکر بیٹا
ہو زمیں شق تو سما جائے یہ مادر بیٹا

مادرِ ابنِ حسنؑ کہتی تھی یہ پیٹ کے سر | میرے قاسمؑ تجھے ڈھونڈھوں میں کہاں آفت کے ہر
اپنے لٹنے کا تو کچھ غم نہیں اے رشکِ قمر | دیکھ کر حال دلہن کا مرا پھٹتا ہے جگر

بھیڑ نامحرموں کی دیکھ کے جی کھوتی ہے
آستیں کو تری آنکھوں پہ رکھے روتی ہے

پیٹ کر زوجۂ عباسؑ یہ کرتی تھی بیاں | تم بھی اس وقت کہیں غائب ہوئے نظروں سے یہاں
رخمیں کیا کرتے ہوئے حیدرِ صفدر کے نشاں | یاں لُٹی جاتی ہے سرکارِ امامِ دو جہاں

ہاتھ سے یتیموں کے چھوٹے جاتے ہیں
بھیڑ میں دم مرے بچوں کے گھٹے جاتے ہیں

کہتی تھی بالی سکینہ یہ باوازِ حزیں | دیکھو عباسؑ چچا ہم کو ڈراتے ہیں لعیں
شمرِ بے رحم گھرکتا ہے لئے خنجرِ کیں | کیا قیامت ہے کہ تم بھی نہیں بابا بھی نہیں

کیوں نہ ہو غم سے کلیجہ تہ و بالا میرا
کوئی اس دکھ میں نہیں پوچھنے والا میرا

کر کے منہ مقتل سرور کی طرف زینب زار | شہ سے فریاد یہ کرتی تھی بچشم خونبار
بھائی صاحب کدھر اب جائے یہ بہن سینہ فگار | ظلم سے ہاتھ اٹھاتی نہیں فوج کفار

ہائے منھ تکتی ہوں ڈھونڈا نہیں ملتا مجھکو
آپ کے سوگ میں رونا نہیں ملتا مجھکو

میں نے جانا تھا کہ جب جائینگے اعدا ہوئے تمام | تا بہ چہلم اسی جنگل میں کرونگی میں قیام
رہنے دونگی میں اس طرح سے برپا یہ خیام | یاں محبان علی آئیں گے پرسہ کو تمام

دن کو دم لونگی نہ راتوں کو ذرا سوؤنگی
فرش پر شان عزا ڈال کے میں روؤں گی

کیا خبر تھی مجھے اس ظلم کی یا شاہ امم | خانۂ فاطمہ تاراج کریں گے ظالم
گھر میں در آنے چلے آئینگے یوں نامحرم | قید ہو جائیگی بعد آپ کے یہ کشتۂ غم

دختر حضرت زہرا پہ تباہی آئی
آپ کے مرنے سے بھینا پہ تباہی آئی

اہل عصمت میں تو یہ شور ہے اور آہ و بکا | اس طرف لوٹ میں مصروف تھی فوج اعدا
کھڈ دہ اندروں بدعت ہے یتیموں پہ جفا | بیٹھی پھرتی ہے ناموس امام دوسرا

بھیڑ میں جا کہیں چھپنے کی نہیں ملتی ہے
وا حسینا کا یہ غل ہے کہ زمیں ہلتی ہے

ننھے بچوں کا یہ عالم ہے کہ تھرّاتے ہیں | گود میں ماؤں کی دہشت سے چھپے جاتے ہیں
ننگی تلواریں جو ظالم انھیں دکھلاتے ہیں | بس تو چلتا نہیں اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں
نہ تو کر سکتے ہیں فریاد نہ رو سکتے ہیں
چپکے سہمے ہوئے اک ایک کا منھ تکتے ہیں

فوج اعدا سے بھرا ہے شہِ مظلوم کا گھر | ہنسلیاں لیتا ہے صغریٰ کی کوئی بانیٔ شر
کھینچتا ہے کوئی کانوں سے سکینہ کے گہر | لوٹتا ہے کوئی بے رحم حرم کا زیور
جھمکے لیتا ہے رقیہ کے ستمگر کوئی
کھینچتا ہے سرِ کلثومؑ کی چادر کوئی!

مڑ کے فضّہ سے یہ کہتا ہے کوئی بدافعال | جلد بتلا کہاں ہے شہِ دیں کا زر و مال
کہتی تھی وہ کہ لعینو تمہیں سب ہے یہ خیال | نہ تھی محتاج سدا احمد مختارؐ کی آل
بخدا کچھ بھی نہیں ہے شہِ دیں کے گھر میں
مال دنیا کہیں رہتا ہے سخی کے گھر میں

اک طرف بالوں سے مغموم پہ یہ ہے بیداد | کھینچتا ہے سرِ پُرنور سے چادر جلّاد
کوئی سنتا نہیں زہراؑ کی بہو کی فریاد | ماں سے لپٹی ہوئی روتی ہے سکینہ ناشاد
بیوۂ حضرت عباسؑ کھڑی روتی ہے
اک تو لٹتی ہے اور پاس کھڑی روتی ہے

شمر لینے لگا جب دخترِ زہراؑ کی ردا | تھام کر گوشۂ چادر کو یہ زینبؑ نے کہا
اے ستمگر مجھے بے پردہ نہ کر بہرِ خدا | کچھ بھی اس کہنہ ردا میں نہیں پیوند ہوا
دکھ زدی ہوں نہیں ستاتا مجھے کیا لازم ہے
تجھ کو احمدؐ کی نواسی سے حیا لازم ہے

ہو نہیں بے وارث و والی کہ اس کا تو خیال | غضبِ اللہ کا آ جائے جو کھولوں ابھی بال
دوں دہائی تو یداللہ کو آ جائے جلال | پر کروں کیا کہ نہیں حکمِ شہِ نیک خصال
کہہ گئے ہیں کہ گلہ لب پہ نہ لانا زینبؑ
سر بھی کھل جائے تو غصہ میں آنا زینبؑ

کتنا کہتی رہی رو رو کے یہ بیکس زینبؑ | وا دریغا نہ کیا شمر نے کچھ پاسِ ادب
چھین لی دخترِ زہراؑ کی ردا ہائے غضب | ہو گئی غرقِ عرق بنتِ شہنشاہِ عرب
واحسینا کی صدا عرش سے جب آنے لگی
روحِ زہراؑ کے جگر بند کی تھرانے لگی

لٹ چکیں اہلِ نبی کی جسوقت ردائیں بھی تمام | غل ہوا پھونک دو اب بارگہِ شاہِ انام
مخدرات نہ تھا واں سے نکلنے کا مقام | آتشِ ظلم سے جلنے لگے حضرت کے خیام
ننگے ناموس سراسیمہ کھلے سر نکلے
بچوں کو لیکے حرم خیمہ سے باہر نکلے

علمدار جعفری بُک ڈپو

اینڈ

قمر نگینہ سینٹر

***

ہمارے یہاں ہر قسم کی مذہبی کتابیں

اور معیاری نگینے مناسب ریٹ پر دستیاب ہیں۔

آرڈر پر انگوٹھیاں اور تبرکات بھی بنائے جاتے ہیں۔